قرآنی آیات کا جواب ایک تحقیقی جائزہ

جمع وتالیف:
مولانا عبید الرحمٰن فیضی کٹیہاری

ناشر:
مدرسہ محمدیہ و مسجد جماعت غرباء اہل حدیث،
چیتا کیمپ ٹرامبے ممبئی ۔ ۴۰۰۰۸۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب: قرآنی آیات کا جواب ایک تحقیقی جائزہ۔

جمع وتالیف: مولانا عبیدالرحمٰن فیضی کٹیہاری

سنہ اشاعت: ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ بمطابق جنوری ۲۰۱۹ء

تعداد: پانچ سو (۵۰۰)

ایڈیشن: پہلا

صفحات: ۸۰

قیمت: ۱۰۰

ناشر: مدرسہ محمدیہ ومسجد جماعت غرباء اہل حدیث چیتا کیمپ ٹرامبے ممبئی ۴۰۰۰۸۸

ملنے کا پتہ: مدرسہ محمدیہ ومسجد ۴۹/اے میمن واڑہ روڈ، ممبئی۔۴۰۰۰۰۳

مدرسہ محمدیہ ومسجد جوگیشوری پاسکل کالونی شہید روڈ ممبئی (ایسٹ) ۶۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآنی آیات کا جواب ایک تحقیقی جائزہ

جمع وتالیف:

مولانا عبید الرحمن فیضی کٹیھاری

ناشر:

مدرسہ محمدیہ و مسجد جماعت غرباء اھل حدیث،
چیتا کیمپ ٹرامبے ممبئ۔ ۴۰۰۰۸۸

فہرست مضامین

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم ، اما بعد :

بفضلہٖ تعالیٰ ایک زمانہ تھا کہ اہلحدیثوں کا بلند پایہ اور روح پرور اصول یہ تھا کلام اللہ وحدیث مصطفیٰ ﷺ اور تعامل صحابہ کے سامنے وہ کسی کی نہیں چلنے دیتے تھے، کیونکہ ان کو قرآن وحدیث سے گہری دلچسپی اور رسول اللہ ﷺ و صحابہ کرام سے حقیقی محبت تھی ، وہ قرآن وحدیث پر فریفتہ ور دلدادہ تھے مال و جان اقرباء احباء اور ہر عزیز سے عزیز چیز اس پر نثار کرتے تھے، ان کے دن رات اس کی تعلیم و تشہیر میں کٹتے تھے، ہر عبادت ہر معاملہ میں اس کو شمع ہدایت او رمشعل راہ سمجھتے تھے،اور دیگر علوم سے مستغنی اور بیزار تھے وہ صرف کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ کو بطریقہ منہج صحابہ و تابعین سمجھنے اور اس کو اپنے عمل وعقیدہ اور نجات کے لئے کافی جانتے تھے۔

لیکن افسوس! ہمارا مشاہدہ ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ پچھلے چند دہائیوں سے قرآن وحدیث پر چلنے کا دعوی کرنے والے، بلکہ منہج سلف کو اپنا منہج قرار دینے والے بہت سے اہلحدیث بھائیوں نے چند مسائل میں عملی طور سے قرآن و احادیث رسول ﷺ اور منہج سلف سے دوری اختیار کرنا شروع کر دیا ہے، اور لاشعوری طور سے شخصیت پرستی کی قبیح بیماری میں مبتلاء ہوتے جارہے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ سنتِ رسول وتعامل صحابہ سے ثابت شدہ بہت سے مسائل کا ایک ایک کر کے انکار کرتے ہوئے ان پر عمل کو چھوڑا جانے لگا، بلکہ سلف سے ثابت ان مسائل پر عمل کرنے والوں کی سخت مخالفت شروع کر دی گئی ہے، حالانکہ عرصہ دراز سے سب ان مسائل پر عمل پیرا تھے۔ لیکن اب نئی تحقیق کے نام پر یا کسی نامور عالم کے فتوے کی بنا پر دورِ صحابہ وسلف صالحین سے چلے آرہے ثابت شدہ و معمول بہ بہت سے مسائل کا انکار کر کے کچھ اہلحدیث حضرات نے اپنے سنہرے اصول سے انحراف شروع کر دیا ہے۔ آج سخت ضرورت ہے اس بات کی کہ ان متروکہ مسائل پر عمل کی طرف مسلمانوں کو خصوصی توجہ دلائی جائے تا کہ ان کو مردہ ہونے سے بچایا جاسکے۔

انہیں چند مسائل میں سے ایک نماز میں قرآنی آیات کا جواب دینا بھی ہے۔ فرض ہو یا نفل نماز میں قرآن مجید کی بعض آیات کا جواب دینا رسول اللہ ﷺ اور تعامل صحابہ وسلف سے ثابت ہے۔ جس کو عموماً اہلحدیثوں نے چھوڑ دیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں اسی مسئلہ کو عزیز القدر برادر مولانا عبید الرحمٰن صاحب فیضی نے قرآن واحادیثِ رسول وتعامل صحابہ وسلف کے مضبوط دلائل سے بہت ہی اچھے اسلوب سے مکمل حوالوں کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ کیونکہ دلائل وہی معتبر اور مضبوط ہوتے ہیں جن کا ثبوت کتاب اللہ، رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ سے پایا جائے۔ جو حضرات اس مسئلہ کے انکاری ہیں ان پر ضروری ہے کہ اسی انداز میں قرآن واحادیثِ رسول یا منہج صحابہ سے قرآنی آیات کے

جواب نہ دینے کے دلائل پیش کریں۔ ورنہ ان مضبوط دلائل کو تسلیم کر کے، مخالفت کرنا چھوڑیں اور عمل کر کے اپنی آخرت سنوارنے کی فکر کریں۔ واللہ المستعان

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مولانا عبید الرحمٰن صاحب فیضی کی اس خدمتِ دین کو قبول فرمائے، اور جن احباب نے جس پہلو سے بھی اس خدمت میں حصہ لیا ہے ان کی بھی خدمت کو قبول فرما کر ان کے لئے اس کو ذخیرۂ آخرت بنا دے۔ آمین

عاجز ناچیز:۔ عبد الباقی السّلفی ابن فضیلۃ الشیخ عبد الماجد المدنی حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الامین وعلی الہ وصحبہ اجمعین :اما بعد!

قرآنی آیات کا جواب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہے، محدثین ومفسرین نے اس ضمن میں بہت سی روایتیں ذکر کی ہیں، جن سے قرآنی آیات کا جواب دینا قاری، امام ومقتدی سب کے لئے نماز میں اور غیر نماز میں ثابت ہے۔ مثلا ابن جریر طبریؒ (م ۳۱۰ھ) نے 'جامع البیان' ۶۷/۲۴ میں۔ امام بغویؒ (م ۵۱۰ھ) نے 'معالم التنزیل' ۳۹۶/۸ میں۔ امام قرطبیؒ نے 'الجامع لاحکام القرآن' ۱۷/۱۹ میں۔ امام ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) نے 'تفسیر القرآن العظیم' ۲۷۹/۸ میں۔ امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے درمنثور ۱۶۱/۱۰ میں۔ امام شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) نے فتح القدیر ۴۷/۷ میں۔ نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) نے فتح البیان ۱۸۶/۱۵ میں قرآنی آیات کا جواب دینا مستحب قرار دیا ہے۔ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، میاں نذیر حسین دہلویؒ، مولانا صادق سیالکوٹیؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، شیخ ابن عثیمینؒ، علامہ البانیؒ اور بہت سے علماء کرام اسی کے قائل ہیں۔

اس کے باوجود بہت سے علماء اہل حدیث اس مسئلہ میں الجھے ہوئے ہیں اور انھوں نے عوام کو بھی الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ اس مسئلہ کی توضیح کے لئے فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالواحد سلفیؒ کی تالیف نماز میں قرآنی آیات کے جواب دینے کا شرعی حکم کیا ہے؟ شائع کیا گیا تھا، اور اس سلسلے کی یہ ایک مختصر کتاب ''قرآنی آیات کا جواب ایک تحقیقی جائزہ'' مولانا عبیدالرحمٰن فیضی کی تالیف ہے، جس میں احادیث صحیحہ، اجماع صحابہ اور مفسرین ومحدثین اور علماء اہل حدیث کے اقوال سے قرآنی آیات کے جواب کو مسنون ومستحب قرار دیا ہے۔

کتاب لائق مطالعہ ہے کتاب ہذا کو میں اور فضیلۃ الشیخ مولانا حسام الدین محمدی نے نظر ثانی کی ہے اور بعض جگھوں پر حوالہ جات کی تصحیح کردی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولِ عام عطا فرمائے اور مؤلف، ناشر اور معاونین کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ (آمین) **تقبل یا رب العالمین.**

مولانا سیف الدین السلفی، لال پور، بلبھدر پور، سپول، بہار۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد اللّٰہ رب العٰلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم، اما بعد :

قرآنی آیات کا جواب، نماز اور غیر نماز میں۔ یہ کتاب ۲۰۱۷ء میں اسلامک انفارمیشن سینٹر، کرلا، ممبئی کی طرف سے شائع ہوا، خاکسار نے اس کتاب کو اول تا آخر مطالعہ کیا۔ موصوف اپنی کتاب ''قرآنی آیات کا جواب نماز اور غیر نماز میں،، کے صفحہ ۷ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''قرآنی آیات کے جواب سے متعلق بہت سی روایات ہیں جن میں اکثر ضعیف وغیر ثابت ہیں۔ بعض روایات ثابت ہیں وہ خاص طریقے اور خاص حالت سے ہی تعلق رکھتی ہیں،، الحمدللہ موصوف کی کتاب سے آیات کا جواب دینے کے تعلق سے مزید علم کے اندر اضافہ ہوا کہ اس مسئلہ سے متعلق کثرت سے صحیح وضعیف احادیث نیز صحیح آثار اور موقوف ومرسل روایات موجود ہیں۔ باوجود لوگ اس عمل سے دور ہیں، خاکسار کو موصوف کے مندرجہ بالا عبارت سے چیتا کیمپ میں ۲۰۰۸ء کا علمائے اہل حدیث اور علمائے دیوبند کے مابین سورہ فاتحہ کے بارے میں مناظرہ یاد آرہا ہے جس میں علمائے دیوبند کا سورہ فاتحہ امام کے پیچھے مقتدی کو پڑھنے کے لئے صحیح اور صریح حدیث مطلوب تھا۔ موصوف نے بھی ہوبہو یہی طریقہ آیات کا جواب دینے کے تعلق سے اپنایا ہے، اور ہر سند میں کہیں نہ کہیں ضعف کہہ کر آیات کا جواب دینے والوں کا رد کیا ہے جو نہایت ہی قابل افسوس بات ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں صحابہؓ کرامؓ سے کوئی اختلاف ثابت نہیں ہے، محدثین اور علمائے سلف وخلف بھی قائل عامل رہے ہیں۔ الحمدللہ! شیخ عبیدالرحمٰن فیضی حفظ اللہ نے بہترین انداز میں آداب کا خیال رکھتے ہوئے اس کتاب کا خلاصہ کے طور پر جائزہ لیا ہے، اور محدثین کے اصول کے ساتھ ساتھ اسلاف کے فتوئے کو مدنظر رکھتے ہوئے مدلل جواب دیا ہے، نیز فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا محدثین کے نزدیک قابل عمل اور لائق حجت ہے اس پر بھی شیخ نے عمدہ طور پر روشنی ڈالی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گوں ہوں کہ اس کتاب کو عام وخاص کے لئے مفید بنائے، شیخ کو اسی طرح دینی خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے، اور دنیا وآخرت میں بہتر بدلہ عطا فرمائے، اور خاکسار کو امت کے تمام علماء سے استفادہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ابراہیم مرتضی شاباد

ناظم: مدرسہ محمدیہ ومسجد چیتا کیمپ ٹرامبے ممبئی۔ ۸۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ ازمولف:

الحمدللّٰہ رب العالمین ،والصلوۃ والسلام علی رسولہ النبی الکریم ،و علی آلہ وصحبہ أجمعین ، ومن تبعھم بإحسان إلی یوم الدین ،وبعد:

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ : : لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ: فی الحقیقت تم مسلمانوں کے لئے رسول ﷺ کا قول وعمل ایک بہترین نمونہ ہے،(سورۃ الاحزاب آیت:۲۱)

قارئین کرام: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قرآنی آیات کا جواب ایک تحقیقی جائزہ کے نام سے یہ کتاب تالیف کیا گیا ہے،جس میں قرآنی آیات اور صحیح احادیث ومتابعت اور بسند صحیح آثارِ صحابہؓ نیز علمائے اہل حدیث کا موقف و فتاوے کو مدِ نظر رکھا گیا ہے،اس مسئلہ پر علمائے سلف مستحب سمجھ کر عامل وقائل رہے ہیں،لیکن موجودہ دور میں ہمارے بعض احباب مستحب وسنت تو دور کی بات ہے اس کے انکار کرنے پر تلے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ جمعہ کی نمازوں میں بھی سورۂ اعلیٰ کی تلاوت کرتے وقت دو آیتوں کو ملا کر پڑھ دیتے ہیں، نہ خود جواب دیتے ہیں اور نہ مقتدی کو جواب دینے کا موقع دیا جاتا ہے،حالانکہ ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ قراءت میں ایک ایک آیت الگ کرکے پڑھتے تھے۔آپ (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ) پڑھتے،پھر وقفہ کرتے۔اس کے بعد (اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم) پڑھتے اور پھر وقفہ کرتے۔اور آپ(مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن) پڑھتے تھے ۔،،[الترمذی: ۲۹۲۷،ابوداؤد: ۴۰۰۱۔ و صححہ الألبانی] گویا کہ دوسنتوں کو ترک کردیتے ہیں نیز قاری کے جواب دینے کے سلسلے میں تقریباً تمام محدثین کا اتفاق ہے،بعض محدثین فرض ونفل کا فرق کرتے ہیں۔لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں فرض ونفل نمازوں میں نیت کے سوا طریقے میں کوئی فرق نہیں اِلاَّ یہ کہ وہ فرق جو نصِ قطعی سے ثابت ہو۔بحرحال یہ ایک ثابت شدہ مستحب عمل ہے، یہ الگ بات ہے کہ محدثین وعلمائے اہلحدیث کے نزدیک امام ومقتدی دونوں کے جواب دینے کے بارے میں اختلاف رہاہے،بعض محدثین وعلماء امام کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور بعض دونوں کیلئے مانتے ہیں،لیکن صرف قاری کیلئے تخصیص کرنا ـــ" : لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ: " فی الحقیقت تم مسلمانوں کے لئے رسول ﷺ کا قول وعمل ایک بہترین نمونہ ہے،

(سورۃ الاحزاب آیت:۲۱) کے خلاف ہے۔(اللہ اعلم)

الغرض: اس عمل کو لے کرامت کے اندر فتنہ فساد اور تفرقہ پیدا کرنا صحیح نہیں ہے، یہ عمل سلف صالحین کے نزدیک فتنہ فساد اور اختلاف کا سبب نہیں تھا، کیونکہ اللہ کے نزدیک فتنہ فساد قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔اس کے باوجود اگر کوئی شخص فتنہ فساد اور تفرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے یا اس کتاب کا جواب دینا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ قرآنی آیات یا نبی ﷺ سے صرف صحیح وصریح کوئی حدیث قرآنی آیات کے جواب نہ دینے کے بارے میں پیش کرے، اگر ایسا نہیں کر سکتے تو فتنہ فساد اور تفرقہ بازی سے گریز کرے ورنہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے جواب دینا ہوگا۔

نیز کتاب ہٰذا! میں فضائل اعمال میں ضعیف حدیث محدثین کے نزدیک قابل عمل اور لائق احتجاج ہیں،اس تعلق سے شیخ شاہ بدیع الدین راشدیؒ کا مکمل مقالہ راشدیہ تحریر کردیا گیا ہے،اور ضعیف حدیث کے بارے میں محدثینؒ کے اصول کو بھی قلمبند کیا گیا ہے۔انشائاللہ، قارئین! کے لئے فائدہ مند ثابت ہوگا،اور آخر میں ایک عالم کی کتاب "قرآنی آیات کا جواب، نماز اور غیر نماز میں۔ جو ۲۰۱۷ء میں منظر عام پر آیا۔ خلاصہ کے طور پر اس کتاب کا مختصر جائزہ پیش کردیا گیا ہے۔

قارئین کرام: انسان خطا ونسیان سے مرکب ہے، اس لئے اس کے ہر کام میں غلطی اور نسیان کا امکان باقی رہتا ہے اس لئے پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ اس کتاب میں جو خامیاں نظر آئیں اس سے آگاہ کریں تاکہ آنے والے ایڈیشن میں آپ کے شکریہ کے ساتھ اس کا ازالہ کیا جاسکے،اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ذات پاک میری خطاؤں کو معاف کردے اور آئندہ غلطیوں کی نشاندہی کے بعد ان کے ازالے کی توفیق دے۔آمین۔

اس کتاب کی تحریر میں مجھ احقر کا کام یہ رہا ہے کہ میں نے حدیثوں اور محدثین وعلماء محققین کے اقوال اور ان کی تحریروں کو یکجا کردیا ہے،لہٰذا میری حیثیت ایک ترتیب وجامع کی ہے، جیسا کہ معاصر محقق،فقیہ،محدث اور لغوی علامہ محمد بن علی الاتیوبی الولوی فرماتے ہیں:

"اِنِّیْ لَسْتُ فِی الْحَقِیْقَۃِ مُؤَلِّفاً ذَا تَحْرِیْرٍ ، وَمُصَنِّفًا ذَا تَحْبِیْرٍ ، وَ اِنَّمَا لِیْ مُجَرَّدُ الْجَمْعِ لِأَقْوَالِ الْمُحَقِّقِیْنَ ، وَالتَّعْوِیْلُ عَلٰی مَا أَرَاہُ مِنْھَا مُوَافِقًا لِظَاھِرِ النَّصِّ الْمُبِیْنِ ، فَأَنَّا جَامِعٌ لِتِلْکَ الْأَقْوَالِ ".

(ذخیرۃ العقبی فی شرح المجتبی ، ۱/ ۶) میں حقیقت میں کوئی کہنہ مشق مولف یا باکمال مصنف نہیں، بلکہ میرا کام محض محققین کے اقوال کو جمع کرنا اور جس قول کو واضح نص کے ظاہر کے موافقت سمجھوں اس پر اعتماد کرنا ہے،لہٰذا

میں انہی اقوال کو اکٹھا کردوں گا۔فللّٰه الحمد علی نعمه و آلایه۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اجروثواب میں شریک فرمائے جنھوں نے اس کی اشاعت میں کسی بھی قسم کا تعاون کیا بالخصوص جناب تبریز ابن ابرار صاحب، مبلغ ابراہیم مرتضیٰ شاباد صاحب، اور عارف ابن ابراہیم صاحب، جنھوں نے دلائل کو جمع کرنے اور اشاعت میں میرا تعاون کیا۔فجزاهم الله خیراً۔

آخر میں اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ اس کتاب کو ہر خاص وعام کے لئے مفید بنائے۔ نیز مؤلف و معاونین کیلئے اس کارِخیر کو توشۂ آخرت بنائے اور تمام مسلمانوں کو سنت نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

”ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم“

مولانا عبیدالرحمٰن فیضی کٹیہاری
مدرسہ محمدیہ ومسجد جوگیشوری پاسکل کالونی شہید روڈ ممبئی (ایسٹ)۶۰
بتاریخ: جنوری ۲۰۱۹ء بمطابق ربیع الأخر ۱۴۴۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”تلاوت قرآن کے دوران آیتوں کا جواب دینے کے قرآنی دلائل“:

دلیل اول:۔ ”سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی“(سورہ اعلیٰ:۱) ترجمہ: اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر۔اس آیت میں ”سَبِّــــــــــــحۡ“ امر کا صیغہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس آیت میں اپنی تسبیح بیان کرنے کا حکم دے رہا ہے۔معلوم ہوا کہ اللہ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے آیت کا جواب دینا چاہئے۔جیسا کہ علامہ مناویؒ شرح جامع الصغیر میں رقمطراز ہیں کہ اس سے یہ حاصل ہوا کہ قاری یا سامع جب بھی کسی آیت سے گزرے جس میں اللہ کی تسبیح و تنزیہ بیان ہوئی ہو تو وہ جواب میں تسبیح وتنزیہ پر مشتمل الفاظ کہیں، جب تحمید وثنا کی آیت سے گزرہو تو جواب میں الحمدللہ کہے، اور تکبیر کے بیان سے گزرے تو تکبیر ہی جواب میں کہے۔

دلیل ثانی:۔ ”وَاِذَا سَمِعُوۡا مَآ اُنۡزِلَ اِلَی الرَّسُوۡلِ تَرٰٓی اَعۡیُنَهُمۡ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَقِّ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِیۡنَ“ (سورہ مائدہ:۸۳)

ترجمہ: اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ (کلام) کو سنتے ہیں تو آپ اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں، اس سبب سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، پس تو ہم کو بھی اُن لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں۔

دلیل ثالث:۔ ”وَاِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ قَالُوۡٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنۡ قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِیۡنَ“ (القصص آیت:۵۳) ترجمہ: (اور جب اسکی آیتیں ان کے پاس پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کے ہمارے رب کی طرف سے حق ہونے پر ہمارا ایمان ہے، ہم تو اس سے پہلے ہی سے مسلمان ہیں)

ان دونوں آیتوں کے تحت حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ اپنی کتاب مسئلۂ فاتحہ خلف الامام صفحہ ۱۹ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو کتاب وسنت کے مطابق ضروری کلام کیا جا سکتا ہے۔

واضح رہے کہ حافظ زبیر علی زئیؒ نے اگر چہ ان دونوں آیتوں کو ذکر کر کے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی دلیل لی ہے، لیکن یہ آیت عام ہے، نماز اور غیر نماز سب کو شامل ہے نیز اس سے پتہ چلا کہ جب بھی قرآن کے کسی سوالیہ آیات سے گذرے تو ضروری کلام جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے کیا جائے اور اس سے مراد قاری وسامع دونوں

ہیں۔

تنبیہ: امید ہے کہ کوئی بھائی قرآن کی ان آیتوں میں فرق نہیں کریں گے کہ یہ اہل کتاب کے لئے ہے جیسا کہ بدعتی کرتے ہیں اوران کا یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کیونکہ یہ ایمان لانے والے کہہ رہے ہیں تو ایمان لانے کے بعد انہیں اہل کتاب کہنا درست نہیں۔

”تلاوت قرآن کے دوران آیتوں کا جواب دینے کے دلائل احادیث سے،،

قرآنی آیتوں کا جواب دینا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے،اور آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو بھی اس کا حکم دیا کرتے تھے،جیسا کہ ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلیٰ أصْحَابِهِ فَقَرَأ عَلَيْهِمْ ”سُوْرَةَ الرَّحْمٰنِ“ مِنْ اَوَّلِهَا اِلیٰ آخِرِهَا فَسَكَتُوْا، فَقَالَ: (لَقَدْ قَرَأتُهَا عَلَى الْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ، فَكَانُوْا أحْسَنَ مَرْدُوْداً مِنْكُمْ، كُنْتُ كُلَّمَا أَتَيْتُ عَلٰى قَوْلِهِ: ”فَبِاَيِّ اٰلآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ“ قَالُوْا: ”لَابِشَيْءٍ مِنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ“ (سلسلة الاحاديث الصحيحة جلد ٣ صفحه٢٣٨،باب :استحباب مردود لآيات القرأن ، جامع ترمذی حديث نمبر ٣٢٩١)

ترجمہ: سیّدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے مکمل سورۃ رحمٰن کی تلاوت کی، وہ خاموشی (سے سنتے رہے) آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے یہی سورت جنوں والی رات کو ان پر تلاوت کی تھی، وہ تمھارے نسبت اچھا جواب دینے والے تھے، وہ اس طرح کہ جب میں ”فَبِاَيِّ اٰلآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ“ (تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے) والی آیت پڑھتا تو وہ کہتے ”لَابِشَيْءٍ مِنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ“ (اے ہمارے رب! ہم تیری کسی بھی نعمت کو نہیں جھٹلا سکتے اور تیرے لئے ہی تعریف ہے)

(تخریج: ترمذی، ح٣٢٩١، حاکم: ٢ج ص٤٧٣)

معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کے دوران آیات کے جوابات دینا درست ہے۔ اور بھی دیگر احادیث سے نماز کے علاوہ میں قرآن کی تلاوت کے وقت قارئین وسامعین کا قرآنی آیات کا جواب دینا ثابت ہے، اس لئے ہم نے تفصیل بیان نہیں کی ہے، کیونکہ ہماری تحقیق میں اسلاف (یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم) میں سے نماز میں قرآنی آیات کے جواب دینے پر کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے، تو ان آیتوں کا جواب دینا قرآن واحادیث سے ثابت ہے۔ نبی ﷺ کی

حدیث کے مطابق جواب دینے والا جواب نہ دینے والے سے بہتر ہے۔

”نماز میں قرآنی آیات کے جواب دینے کا ثبوت،،

نبی کریم ﷺ سے جس طرح نماز کے علاوہ قرآنی آیتوں کا جواب دینا ثابت ہے، اسی طرح نماز میں بھی قرآنی آیات کا جواب دینا مرفوعاً ثابت ہے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم سے بھی صحیح سند کے ساتھ فرض نمازوں میں آیتوں کا جواب دینا ثابت ہے۔ ہماری تحقیق میں کسی صحابی سے نماز میں آیتوں کے جواب دینے کے بارے میں اختلاف نہیں ہے اگر چہ لوگ وقتاً فوقتاً اعتراض واختلاف کرتے آرہے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

الحمدللہ! اس بارے میں نے کچھ تفصیل جمع کی ہے، ملاحظہ کریں۔

حذیفہ بن یمانؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے سورۃ البقرہ شروع کردی میں نے کہا آپ ﷺ سو (١٠٠) آیات پر رکوع کریں گے، آپ ﷺ چلتے گئے۔ میں نے کہا اس کو ساری نماز میں پڑھیں گے، لیکن آپ ﷺ چلتے گئے۔ میں نے کہا اس (کے اختتام) پر رکوع کریں گے (لیکن آپ ﷺ چلتے گئے)۔ پھر آپ ﷺ نے آل عمران شروع کی، اس کو پڑھ دیا، پھر سورۃ آل عمران شروع کردی، اس کو بھی پڑھ دیا۔ آپ ﷺ آہستہ آہستہ (ہر آیت پر ٹھہر ٹھہر کر) پڑھتے رہے، جب آپ ﷺ تسبیح کی آیتوں پر گزرتے تو تسبیح کہتے، جب سوال پر گزرتے تو سوال کرتے، جب تعوذ پر گزرتے تو پناہ مانگتے (صحیح مسلم ج٢ص ٢٦٧، مترجم، حدیث نمبر١٨١٤)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ نماز میں بھی نبی کریم ﷺ جب بھی کوئی ایسی آیت سے گزرتے جس میں تسبیح، سوال، یا عذاب کا ذکر ہوتا، تو آپ ﷺ اس کا جواب دیتے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ان آیتوں کا جواب دینا نبی ﷺ کی سنت ہے۔ آپ ﷺ سے یہ عمل مرفوعاً ثابت ہے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ ذخیرۂ احادیث میں اس مسئلہ پر صرف ایک ہی مرفوع حدیث ہے جو کہ بالکل غلط ہے، اس حدیث کے اور بھی شواھد مرفوعاً ثابت ہیں۔

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ حُمَيْدٍ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيْ قَالَ: قُمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً فَقَامَ فَقَرَأَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ لَايَمُرُّ بِاٰيَةِ رَحْمَةٍ اِلَّا وَقَفَ فَسَأَلَ وَلَايَمُرُّ بِاٰيَةِ عَذَابٍ اِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ، قَالَ: ثُمَّ رَكَعَ

بِقَدرِ قِيَامِهِ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ: (سُبحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبرِيَاءِ وَالْعَظْمَةِ) ثُمَّ سَجَدَ بِقَدرِ قِيَامِهِ ثُمّ قَالَ فِي سُجُودِهِ مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ قَامَ فَقَرَأَ بِآلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَرَأَ سُورَةً سُورَةً.

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات رسول ﷺ کے ساتھ قیام کیا، آپ ﷺ نے قیام کیا تو سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی، آپ ﷺ جس کسی آیت رحمت سے گزرتے تو وہاں رکتے اور دعا کرتے اور جس کسی آیت عذاب سے گزرتے تو وہاں تعوذ کرتے پھر آپ نے رکوع کیا، اس قدر لمبا جتنا کہ آپ ﷺ کا قیام تھا۔ آپ اپنے رکوع میں یہ دعا پڑھتے تھے ”سُبحَانَ ذِی الْجَبَرُوتِ ....الخ) (پاک ہے وہ ذات جو غلبہ وقوت، ملکیت، بڑائی اور عظمت والی ہے)۔ پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا، اس قدر لمبا جتنا کہ آپ کا قیام تھا اور آپ ﷺ اپنے سجدے میں بھی وہی دعا پڑھتے رہے پھر کھڑے ہوئے اور سورۂ نساء کی قرأت فرمائی، پھر ایک سورت پڑھی (بعد ازاں ایک اور) سورت پڑھی۔ (سنن ابوداود، ج ۱/ص ۶۴۴، حدیث نمبر ۸۷۳)

اس حدیث کو علامہ البانیؒ اور حافظ زبیر علی زئیؒ نے صحیح کہا ہے، اور نسائی کے اندر بھی یہ حدیث موجود ہے۔ (حدیث نمبر ۱۰۴۹)

حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا قَرَأَ ”سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ قَالَ: ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: خُولِفَ وَكِيعٌ فِي هَذَا الْحَدِيثِ، رَوَاهُ أَبُو وَكِيعٍ وَشُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوفًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب ”سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ (اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح بیان کیجئے)۔ کی تلاوت کرتے تو (جواباً) فرماتے: ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ (پاک ہے میرا رب جو سب سے بلند و بالا ہے)

امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں وکیع کی مخالفت کی گئی ہے۔ ابووکیع اور شعبہ نے اسے بواسطہ ابواسحاق عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ موقوفاً بیان کیا ہے۔ (سنن ابوداود، ج ۱، ص ۶۵۰ مترجم، حدیث نمبر ۸۸۳)

اس حدیث کو بعض لوگ ضعیف قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ حدیث شواہد کی بنا پر قوی اور مضبوط ہے۔

شاھد کسے کہتے ہیں؟

عبدالرؤف ظفر صاحب التحدیث میں لکھتے ہیں: شاھد کی تعریف یہ ہے کہ دوسرا راوی یوں تو اس کی تائید کرتا ہو مگر وہ دوسرے صحابی سے روایت کرتا ہو اور اسکی یہ روایت لفظ و معنی دونوں یا صرف معنی میں پہلے راوی کی روایت سے ملتی جلتی ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی دوسرے صحابی سے اس کے مشابہ حدیث لفظ یا معنی میں، یا صرف معنی میں ہو تو وہ شاھد ہے۔ (حوالہ التحدیث فی علوم الحدیث، ص ۲۵۳)

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اگر اسی روایت کے ہم معنی روایت کسی دوسرے صحابی سے مروی ہو تو اسے شاھد کہتے ہیں۔ (اختصار علوم الحدیث، ص ۴۷)

شاہد اول:۔ صحیح مسلم کے اندر حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی حدیث، ابوداود کی اس حدیث پر شاہد ہے کہ آپ ﷺ جب تسبیح والی آیت سے گزرتے تو ”سُبْحَانَ اللهِ“ کہتے اور دیگر ضروری کلام کرتے۔

شاہد ثانی:۔ حضرت عوف بن مالکؓ کی حدیث، جو ابوداود، ج ۱، ص ۶۴۴، حدیث نمبر ۸۷۳، کے اندر موجود ہے جس کو علامہ البانیؒ اور حافظ زبیر علی زئیؒ نے صحیح کہا ہے۔

شاہد ثالث:۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کی حدیث، جو ابوداود ج ۱، ص ۶۴۲، حدیث نمبر ۸۶۹ میں ہے، کہ جب آیت ”سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ نازل ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اسے اپنے سجدوں میں کرو (یعنی سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى) اگرچہ یہ حدیث سجدے میں دعا پڑھنے کے بارے میں ہے لیکن اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جب آیت ”سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ پڑھنے کا حکم دیا۔

واضح ہوگیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نماز میں ”سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ کے جواب میں ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ پڑھا کرتے تھے۔ امت محمدیہ کو بھی ”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ“: ”فی الحقیقت تم مسلمانوں کے لئے رسول ﷺ کا قول و عمل ایک بہترین نمونہ ہے، (سورۃ الاحزاب آیت: ۲۱) پر عمل کرتے ہوئے نماز میں جواب دینا چاہئے۔ جیسا کہ ”سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ نازل ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اسے

اپنے سجدوں میں کرو(یعنی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی) پڑھنے کا حکم دیا۔بس جس طرح رسول ﷺ کا حکم جان کر سجدوں میں ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' پڑھتے ہیں،اسی طرح نبی ﷺ کا عمل سمجھ کر آیت کا جواب بھی دینا چاہئے۔

اگر چہ یہ حدیث رکوع اور سجدے کے لئے وارد ہوئی لیکن اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ جب ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی' نازل ہوئی،تب رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' کہنے کا حکم نافذ کیا۔

شاہد رابع:- ابن عباسؓ کی روایت کے تعلق سے صاحب مرعاۃ المفاتیح نے کہا ہے جو مندرجہ بالا میں ذکر کیا گیا ہے : وَ اَخْرَجَهُ اَيْضًا الْحَاكِمُ وَالطَّبْرَانِیُّ ، وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَوَافَقَهُ الذَّهَبِیُّ ، وَ قَالَ الْعَزِيْزِیُّ :هُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ .(مرعاۃ ج۳،ص ۱۷۴) وقال الالبانی : صحیح ،

ان چاروں شواہد کی بنا پر اس حدیث کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ اس حدیث پر مرفوعاً شواہد موجود ہیں۔یعنی یہ تمام مذکورہ حدیثیں عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث پر شواہد بن کر اسے حسن درجہ تک پہونچاتی ہیں۔اس لئے شیخ علامہ البانیؒ کا ابوداود کی اس حدیث کو شواہد کی بنیاد پر حسن اور صحیح کہنا کوئی حیرت و تعجب کی بات نہیں ہے۔

حسن لغیرہ کسے کہتے ہیں

وہ ضعیف حدیث جس کی سندیں زیادہ ہوں اور اس کے ضعیف ہونے کا سبب راوی کا فاسق یا کاذب ہونا نہ ہو۔ (تیسیر مصطلح الحدیث ص ۵۳)

اعتبار اول:- عَنْ مُوْسیٰ بنِ أَبِی عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُّصَلِّیْ فَوْقَ بَيْتِهٖ وَكَانَ اِذَا قَرَأَ ''اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ يُّحْیِ الْمَوْتٰی'' قَالَ:''سُبْحَانَكَ فَبَلٰی'' فَسْئَلُوْهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ . (رواہ ابوداود،مترجم،صحیح:۸۸۴)

قَالَ اَبُوْ دَاوٗدُ : قَالَ اَحْمَدُ: يُعْجِبُنِیْ فِی الْفَرِيْضَةِ اَنْ يَّدْعُوْا بِمَا فِی الْقُرْاٰنِ

(صحیح سنن ابی داؤد للالبانی الجزء الاول رقم الحدیث ۷۸۶)

حضرت موسیٰ بن ابی عائشہؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ (صحابہ میں سے) ایک صاحب اپنے گھر کی چھت پر نماز پڑھتے تھے تو جب وہ (سورہ قیامہ) کی آخری آیت ''اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ يُّحْیِ الْمَوْتٰی''

کیا اللہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کرے؟) پڑھتے تو (جواب میں) کہتے ''سُبْحَانَكَ فَبَلٰی'' (اے اللہ! تو پاک ہے، تو یقیناً قدرت رکھتا ہے) لوگوں نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے (ایسا کہتے) سنا ہے۔ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

امام ابوداودؒ کہتے ہیں کہ امام احمد کا کہنا ہے کہ مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ فرض نمازوں میں قرآنی دعائیں کی جائیں۔

اعتبار ثانی:- علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا: عَنْ عَلِیٍّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ : اِنَّهُ قَرَأَ: ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی '' فَقَالَ : سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ، وَهُوَ فِی الصَّلَاةِ. فَقِيْلَ لَهُ : اَتَزِيْدُ فِی الْقُرْاٰنِ ؟ قَالَ لَا . ، اِنَّمَا اُمِرْنَا بِشَیْءٍ فَقُلْتُهُ . اَخْرَجَهُ الْفِرِيَابِی وَابْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَابْنُ الْاَنْبَارِیُّ فِی الْمَصَاحِفِ''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی'' پڑھا تو ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' کہا تو ان سے کہا گیا: کیا آپ قرآن میں اضافہ کرتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: نہیں بلکہ ہمیں اس چیز کا حکم دیا گیا ہے جسے میں نے کہا۔ اسے فریابی، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید اور ابن الانباری نے ''مصاحف'' میں نقل کیا ہے۔ (صحیح أبی داؤد للالبانی : ۳۹/٤)

حضرت علیؓ کی روایت۔ یہ حدیث موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہے۔ اصول حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اگر صحابی یہ کہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے، تو اسے المرفوع حکماً مانا جاتا ہے، جو مرفوع کی ایک قسم ہے۔ وضاحت کے لئے دیکھیں شیخ عثیمینؒ کی کتاب۔

(مصطلح الحدیث ص ،نمبر۳۲، اور تیسیر مصطلح الحدیث ص ۱۲۴،)

یہاں حضرت علیؓ کا یہ کہنا کہ ہمیں اس چیز کا حکم دیا گیا ہے، اس بنا پر یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔ (ابن ابی شیبہ، وابن الانباری۔)

اعتبار ثالث:- حضرت علیؓ کی ہم معنی حدیث کو امام قرطبیؒ نے دوسری سند سے سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

يُسْتَحَبُّ لِلْقَارِیْ اِذَا قَرَأَ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی '' اَنْ يَّقُوْلَ : سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ، قَالَهُ النَّبِیُّ ﷺ ،وَقَالَهُ جَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَرُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَّابْنِ عُمَرَ وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَاَبِیْ مُوْسیٰ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا افْتَتَحُوْا قِرَاءَةَ هٰذِهِ السُّوْرَةِ قَالُوْا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی الخ.... رَوَاهُ الْحَاكِمُ اَيْضًا وَقَالَ:صَحِيْحٌ .وَوَافَقَهُ الذَّهَبِیُّ (یعنی وہ روایت صحیح ہے)

حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابن زبیرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ رضوان اللہ اجمعین کے بارے میں ’’سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی‘‘ کے جواب میں ’’سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلَی‘‘ کہنے کا ذکر کیا ہے۔

اعتبار رابع :. اَخۡبَرَنَا عَمۡرو بن مرزوق، قَالَ: أخبرنا شعۡبَة، عَنۡ أَبِیۡ اِسۡحَاقِ، قَالَ: سَمِعۡتُ سَعِیۡدِ بۡنِ جُبَیۡرٍ، عَنۡ ابۡنِ عَبَّاسٍ، اَنَّه قَالَ: اِذَاقَرَأت (سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡأَعۡلیٰ، الاعلیٰ ۱) واِذَا قرأت (اَلَیۡسَ ذَلِکَ بِقَادِرٍ عَلَیٰ اَنۡ یحۡیِیَ الۡمَوۡتی. القیمة ۴۰) فَقلۡ سبۡحَانَکَ وَبَلیَ،،

’’عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب تم (سبح اسم ربک الاعلیٰ) پڑھو بہت بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر۔ پڑھو تو کہو’’سبحانک،، (اللہ پاک ہے) اور جب (اَلَیۡسَ ذَلِکَ بِقَادِرٍ عَلَیٰ اَنۡ یحۡیِیَ الۡمَوۡتَیَ. القیمة ۴۰) کیا وہ (اللہ) اس پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کردے) پڑھو تو کہو’’وبلیٰ،، (کیوں نہیں) فضائل القرآن لابن ضریس : (ص ۱۳۱) واسناده صحیح، واخرجه أیضاًالبیهقی فی شعب الایمان (۴۴۰/۳)

ان چاروں اعتبارات کی بناپر یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

بعض لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ صحابہ کے عمل کو رد کر کے لکھتے ہیں کہ یہ قابل عمل نہیں ہے۔

یادرہے کہ صحابی کا عمل ضعیف حدیث کو تقویت پہنچاتا ہے۔ بلکہ آثار صحابہ بھی محدثین کے نزدیک حجت ہیں، بعض آثار کے سند پر زبیر علی زئیؒ نے صحیح کا حکم لگایا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

یادرہے کہ صحابہ کا عمل بھی قابل قبول اور حجت ہے جب وہ قرآن وحدیث کے تائید میں ہو اور وہ عمل جو صحابہ کرامؓ کے اجتہاد کی بناپر قرآن وحدیث کے مخالف ہو وہ درگذر ہے اور وہ قابل قبول نہیں۔

اصول حدیث میں صحابہ کرامؓ کو بھی حجت مانا گیا ہے اور ان کے عمل سے ضعیف روایت کو تقویت بھی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ اصول حدیث کی کتاب التحدیث فی علوم الحدیث میں ہے کہ موقوف حدیث سے ضعیف حدیث کو تقویت ملتی ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ اپنے ہر قول وفعل میں سنت کا لحاظ واہتمام کرنے والے تھے۔ (التحدیث فی علوم الحدیث، ص ۲۴۶ سے ۲۴۷)۔

تیسیر مصطلح الحدیث میں ہے موقوف میں اصل یہ ہے کہ اس سے حجت لی جائے کیونکہ وہ صحابہ کرامؓ کے اقوال و

افعال ہیں، لیکن اگر وہ صحیح ثابت ہو تو بعض ضعیف احادیث بھی قوی کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں۔ جیسا کہ مرسل میں بیان ہوا ہے کیونکہ صحابہ کی اصل حالت یہی ہے کہ وہ سنت پر ہی عمل کرتے تھے۔

تیسیر مصطلح الحدیث میں امام شافعیؒ کے رسالہ کے حوالے سے مرسل حدیث کی قبولیت کا حکم بیان کیا گیا ہے، جس میں سے ایک صحابی کا قول بھی ہے۔ (تیسیر مصطلح الحدیث ص نمبر ۷۱)

امام ابن کثیرؒ نے بھی امام شافعیؒ کا یہی اصول بیان کیا ہے کہ صحابہ کے قول سے مرسل روایت حجت ہے۔ (اختصار علوم الحدیث ص ۳۷)

تیسیر مصطلح الحدیث ص ۱۲۶ میں ہے جب موقوف مرفوع کے حکم میں ہو تو وہ مرفوع کی طرح حجت اور دلیل قطعی ہے۔

ان سے پتہ چلا کہ کسی ضعیف حدیث کے مطابق صحابہ کا صحیح عمل ثابت ہو تو اس سے ضعیف حدیث کو تقویت ملتی ہے ۔لہٰذا صحابہ کرامؓ کا صحیح سند سے قرآنی آیات کا جواب دینے کا ثبوت بھی ان مرفوع روایات کو تقویت دیتی ہیں جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ آثار صحابہ حجت نہیں ہے بالکل غلط ہے۔ جب کہ اسلاف میں سے امام بیہقیؒ وامام طحاویؒ اور امام قرطبیؒ وغیرہ نے سنن وآثار پر بھی کتاب لکھی ہیں۔

تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ شواھد واعتبار اور آثار صحابہ کی بناپر حضرت عبداللہ بن عباسؓ والی روایت بالکل صحیح ہے اسی لئے اکثر محدثین نے اس حدیث کو حسن اور صحیح قرار دیا ہے۔

(۱) جیسا کہ علامہ البانیؒ نے اسے حسن اور صحیح کہا ہے۔

(۲) امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک میں روایت کر کے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

(۳) قَالَ صَاحِبُ الۡمِرۡعَاةِ وَاَخۡرَجَهُ اَیۡضًا اَلۡحَاکِمُ وَالطَّبۡرَانِیُ ، وَ صَحَّحَهُ الۡحَاکِمُ وَوَافَقَهُ الذَّهۡبِیُّ ، وَ قَالَ الۡعَزِیۡزِیُّ :هُوَ حَدِیۡثٌ صَحِیۡحٌ .(مرعاة ج۳، ص ۱۷۴) وقال الالبانی : صحیح،

یادرہے کہ بخاری ومسلم میں ابو اسحاق السبیعی جس کو بعض لوگ مدلس اور اختلاط کی جرح لگاتے ہیں ان کی عن والی روایت بخاری ومسلم میں پچیس سے زیادہ ہیں، اس بناپر صحیحین میں مدلس راوی کی عن والی روایت کو امام نوویؒ نے شرح مسلم میں صحیح کہا ہے۔

(شرح مسلم للنووی، ج ا ص ۲۷، حدیث نمبر ۱۰۹)

اسی لئے ممکن ہے کہ امام حاکمؒ نے اسے بخاری ومسلم کے شرط پر صحیح کہا ہے۔اورامام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔

(۴) شیخ تنویرالحق نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح نماز نبوی ص۱۵۸،ناشر مکتبہ الفہیم)

بہت سارے علماء نے اس حدیث کو صحیح اور حسن کہا ہے،لہٰذا اس بنا پر یہ حدیث صحیح ہے۔

آثارِ صحابہ نمبر ۱:- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ،عَنْ مَسْعَرٍ ، عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ : سَمِعْتُ اَبَامُوْسٰى قَرَأَ فِي الْجُمُعَةِ : "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" فَقَالَ " سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلَى" (ابن ابی شیبۃ،کتاب الصلاۃ باب نمبر۱۹۷حدیث نمبر۸۷۲۹)

عمیر بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے سنا ابوموسیٰ اشعریؓ نے جمعہ کی نماز میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" کے جواب میں "سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلَى" کہا

حافظ زبیر علی زئیؒ نے اپنی کتاب فتاوی علمیہ ص نمبر۴۰۱ میں اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (المصنف ج۲،ص۱۰۸، حدیث ۸۶۴۰،سندہ صحیح،)

آثارِ صحابہ ۲:- حَدَّثَنَا عَبْدُبْنُ سُلَيْمَانَ ، عَنْ مَسْعَرٍ ، عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ : صَلَّيْتُ مَعَ اَبِى مُوْسٰى اَلْجُمُعَةُ فَقَرَأَ : وَ هُوَ فِي الصَّلٰوةِ ."سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" فَقَالَ " سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلَى" (ابن ابی شیبۃ،کتاب الصلاۃ باب نمبر۱۹۷حدیث نمبر۸۷۳۰)

مصنف ابن أبی شيبة،ت الحوت (۲/۲۴۷) وإسناده صحيح واخرجه البيهقى فى سننه(۲/۳۱۱)

عمیر بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی تو انہوں نے "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى"،پڑھی تو" سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلَى" کہا،اس حالت میں کہ وہ نماز میں تھے۔

آثارِ صحابہ ۳ :- عَبْدَةَ وَ وَكِيعٍ ، عَنْ سُفْيَانَ ، عَنِ السُّدِّيِّ ، عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ : اَنَّ عَلِيّاً قَرَأَ :"سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" فَقَالَ " سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلَى" قَالَ عَبْدَةُ : وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ (ابن ابی شیبۃ،کتاب الصلاۃ باب نمبر۱۹۷حدیث نمبر۸۷۳۱)

مصنف عبد الرزاق الصنعانى (۲/۴۵۱)وإسناده حسن ، وأخرجه أيضاً عبد بن حميد كما فى

فضائل القرآن للمستغرى (۱/۱۷۸) بإسناد من طريق المسيب بن عبد خير عن أبيه به و هذااسنادحسن أيضاً

عبدخیر کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" پڑھی تو " سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلَى" کہا،اس حالت میں کہ وہ نماز میں تھے۔

آثارِ صحابہ ۴ :- عَبْدَةَ،عَنْ هِشَامٍ قَالَ : سَمِعْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَقْرَأُ : "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" فَقَالَ" سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلَى" وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ. (ابن ابی شیبۃ،کتاب الصلاۃ باب نمبر۱۹۷حدیث نمبر۸۷۳۲)

مصنف ابن أبی شيبة ،سلفية (۲/۵۰۹) وإسناده صحيح .

عبدہ ہشام سے روایت کرتے ہیں،کہتے ہیں کہ میں نے سنا حضرت ابن زبیرؓ نے"سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى"،پڑھی تو سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلَى" کہا،اس حالت میں کہ وہ نماز میں تھے۔

آثارِ صحابہ ۵ :- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ هِشَامٍ قَالَ : سَمِعْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَقْرَأُ: "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" فَقَالَ "سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلَىَ" (ابن ابی شیبۃ،کتاب الصلاۃ باب نمبر۱۹۷حدیث نمبر۸۷۳۳)

آثارِ صحابہ ۶ :- وَكِيعٌ ، عَنْ اَبِيهِ ، عَنْ اَبِىْ اِسْحَاقَ ، عَنْ سَعِدِ بْنِ جُبَيْرٍعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ قَرَأَ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى"فَقَالَ"سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلَى" (ابن ابی شیبۃ،کتاب الصلاۃ باب نمبر۱۹۷حدیث نمبر۸۷۳۴)

سعد بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى"،پڑھی تو "سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلَىَ" کہا۔

حافظ زبیر علی زئیؒ نے اپنی کتاب فتاوی علمیہ ص نمبر۴۰۲ میں اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔

آثارِ صحابہ ۷ :- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ نَجِيحٍ ، عَنْ اَبِى الْمُتَوَكِّلِ، عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِمِثْلَهُ. (ابن ابی شیبۃ،کتاب الصلاۃ باب نمبر۱۹۷حدیث نمبر۸۷۳۵) حافظ زبیر علی زئیؒ نے اپنی کتاب فتاوی علمیہ ص نمبر ۴۰۲ میں اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔

آثارِ صحابہ ۸ :- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بُشْرٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْوَلِيْدِ ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ الْحَسَنِ قَالَ:

كَـانَ عُـرْوَـةُبـنُ الْـمُغِيْرَةِ اِذَا اَمَّ النَّاسَ هَاهُنَا فَقَرَأَ ''سَبِّحِ اسْـمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی'' قَالَ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی'' (ابن ابی شیبۃ، کتاب الصلاۃ باب نمبر۹۲۷حدیث نمبر۸۷۳۶)

عبید بن حسنؒ کہتے ہیں کہ حضرت عروہ ابن مغیرہ جب لوگوں کو یہاں نماز پڑھاتے تو ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی'' پڑھتے تو ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی'' کہتے۔

آثار صحابہ ۹ :- حَـدَّثَـنَـا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ ،عَنِ الْاَصْبَغِ بنِ يَزِيْدَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ اَبِیْ اَيُّوْبَ،عَنْ سَعِيْدِ بْـنِ جُبَيْـرٍ : اَنَّـهُ كَانَ اِذَا قَرَأَ: ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَـی'' قَـالَ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی'' (ابن ابی شیبۃ، کتاب الصلاۃ باب نمبر۹۲۷حدیث نمبر۸۷۳۷)

سعید بن جبیر سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی'' پڑھتے تو ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی'' کہتے۔

آثار صحابہ ۱۰ :- حَدَّثَـنَـا اَبُوْ اُسَـامَةَ، عَـنُ الْـجَـرِيْرِی ، عَنْ اَبِیْ نَضْرَةَ ، عَنْ عُمَرَ : اَنَّهُ كَا نَ اِذَا قَرَأَ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی'' قَالَ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی'' (ابن ابی شیبۃ، کتاب الصلاۃ باب نمبر۹۲۷حدیث نمبر۸۷۳۸)

حضرت عمرؓ جب'' سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی'' پڑھتے تو ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی'' کہتے۔

آثار صحابہ ۱۱:، امام سعید بن منصورؒ (المتوفی ۲۲۷) نے کہا:

حدثنا هشيم ، حدثنا أبوبشر ، عن سعيد بن جبير ،قال: سمعت ابن عمر يقراء (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَـی'' قَـالَ ''سُبْـحَـانَ رَبِّـیَ الْاَعْلَیَ'' سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو پڑھتے ہوئے سنا،انہوں نے جب (''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَـی'' (سورۃالاعلی : ۱) اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر) پڑھا تو کہا ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی'' میرا بلند اللہ بہت ہی پاک ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ صحابہ نے یہ عمل اجتہاد کی بنا پر کیا ہو۔ان کا یہ کہنا محض ان کا اجتہاد ہی ہے،جیسا کہ (تلخیص المستدرک) میں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں اگر یہ روایت موقوف بھی ہو تو بھی اسے مرفوع کا حکم دیا جائے گا، کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں ہے۔

آثار سلف

امام شعبہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سلیمان بن مہران الاعمشؒ سے پوچھا کیا میں نماز میں تخویف کی آیت پڑھتے وقت دعا کرلیا کروں؟۔تو انھوں نے مجھے بسند سعد بن عبیدہ بیان کیا کہ حضرت حذیفہؓ نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ رکوع میں'' سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِيْمِ'' اور سجدے میں'' سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی'' پڑھتے تھے،اور اثناءِ قرأت جس کسی آیت رحمت سے گزرتے تو وہاں رکتے اور سوال کرتے اور جس کسی آیتِ عذاب سے گزرتے تو وہاں رکتے اور پناہ مانگتے۔ (صحیح مسلم،حدیث نمبر۷۷۲،سنن ابی داود، ج ا ص ۶۴۳ ، ح ۸۷۱)

''زمانہ سلف سے یہی معمول رہا ہے''

صحابہ وتابعین کا عمل وقول تو ہم دیکھ چکے ہیں۔اس کے علاوہ جب ہم کتب احادیث وتفاسیر پرغور کرتے ہیں تو یہی بات واضح ہوتی ہے کہ یہی مسلک سلف وخلف کا عمومًا رہا ہے کہ نماز فرض ہو یا نفل سب میں آیات کے جواب امام و مقتدی کو دینا مستحب ہے۔

آیئے! اب ہم قرآنی آیات کے جواب دینے کے متعلق چند محدثین ومفسرین کرام کے نظریات اوران کے مسلک کو پیش کردیتے ہیں۔جس سے قارئین کو یہ واضح ہوجائے گا یہ مسئلہ صرف کسی جماعت کا نہیں بلکہ شروع سے ہی بڑے بڑے علمائے اسلام کا ہے۔

محدثین کرام

ہم دیکھتے ہیں کہ اوپر مذکورہ احادیث کو اکثر محدثین اپنی کتابوں میں ''كِتَـابُ الصَّلَاةِ'' اور نماز میں قرأت کے بیان میں لائے ہیں۔جس سے واضح ہے، کہ یہ محدثین بھی ان کو نماز (فرض ہو یا نفل) میں پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔مثلاً امام ابوداؤدؒ اپنی سنن میں كِتَابُ الصَّلَاةِ ، بَابُ الدُّعَاءِ فِی الصَّلَاةِ میں وہ احادیث لائے ہیں۔

امام مسلمؒ كِتَا بُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِيْنَ وَ قَصْرِهَا ، بَابُ اِسْتِحْبَابِ تَطْوِيْلِ الْقِرَاءَ ةِ فِی صَلَاةِ اللَّيْلِ میں حدیثِ حذیفہ لائے ہیں

امام نسائیؒ كِتَابُ الْاِفْتِتَاحِ ، بَابُ تَعَوُّذِ الْقَارِئِ اِذَا مَرَّ بِآيَةِ عَذَابٍ ۔

امام ابن تیمیہؒ اپنی منتقی الاخبار، کتاب الصَّلَاةِ ،بَـابُ الْـمُـصَـلِّـی يَـدْعُـوْ اَوْ يَـذْكُرُ اللّٰهَ اِذَا مَرَّ بِاٰيَةِ رَحْمَةٍ اَوْ

عَذَابٍ أَوْ ذِكْرٍ میں۔

امام بیہقیؒ بَابُ الْوُقُوْفِ عِنْدَ آيَةِ الرَّحْمَةِ وَ آيَةِ الْعَذَابِ وَ آيَةِ التَّسْبِيْحِ میں۔

امام ابن ماجہؒ اِقَامَةُ الصَّلَاةِ ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَ ةِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ میں۔

امام بخاریؒ ومسلمؒ کے استاذ ابنِ ابی شیبۃؒ کتابُ الصَّلاۃِ بابُ مَنْ کانَ اِذا قرأَ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی" قَالَ " سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی " میں۔

شیخ علامہ البانیؒ سِلْسِلَةُ الْاَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ ،بَابُ اِسْتِحْبَابِ مَرْدُوْدِ لِاٰيَاتِ الْقُرْآنِ میں۔

امام عبید قاسم بن سلامؒ اپنی فَضَائِلِ قُرْآن ،بَابُ مَايَسْتَحِبُّ لِقَارِئِ الْقُرْآنِ مِنَ الْجَوَابِ عِنْدَ الْاٰيَةِ وَالشَّهَادَةِ لَهَا میں۔

الغرض اسی طرح بہت سے محدثین وعلماء اسلام نے اپنی کتابوں میں ابواب کے ذریعہ ان احادیث کا مفہوم و مقصود اور عمل کا طریقہ بتایا اور سمجھا دیا ہے (جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں)۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کرام بھی قرآنی آیات کے جواب دینے کو نماز وغیر نماز (فرض ونفل) سب میں جائز سمجھتے تھے۔

مفسرین عظام

مفسرین کے متعلق اختصاراً صرف اتنا اشارہ کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ

(۱) علامہ طبریؒ (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی تفسیر جامع البیان میں، سورہ اعلیٰ کی تفسیر ج ۲۴ ص ۶۷ میں۔

(۲) امام احمد بن محمد الثعلبیؒ (متوفی ۴۲۷ھ) اپنی تفسیر الکشاف والبیان، ج ۱۰ ص ۹۲ میں۔

(۳) امام ابوالمظفر منصور بن محمد السمعانیؒ (متوفی ۴۸۹ھ) اپنی تفسیر القرآن، ج ۶ ص ۲۰۷ میں۔

(۴) امام حسین بن مسعود البغویؒ (متوفی ۵۱۰ھ) اپنی تفسیر معالم التنزیل، ج ۸ ص ۳۹۶ میں۔

(۵) امام قرطبیؒ (متوفی ۶۷۱ھ) اپنی شہرہ افاق تفسیر الجامع لأحکام القرآن، ج ۱۹ ص ۱۷ میں۔

(۶) امام علی محمد بن ابراہیمؒ (متوفی ۷۴۱ھ) اپنی تفسیر خازن، ج ۶ ص (۲۵۱) میں۔

(۷) علامہ ابن کثیرؒ (متوفی ۷۷۴ھ) اپنی شہرہ افاق تفسیر القرآن العظیم، ج ۸ ص ۳۷۹ میں۔

(۸) علامہ ابوحفص سراج الدین عمر بن علی الدمشقیؒ (متوفی ۷۷۵ھ) اپنی تفسیر اللباب فی علوم الکتاب، ج ۱۶ ص ۱۷۱ میں۔

(۹) علامہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر جلال الدین السیوطیؒ (متوفی ۹۱۱ھ) اپنی تفسیر در منثور ج ۱۰ ص ۱۶۱ میں۔

(۱۰) علامہ محمد بن احمد الخطیب الشربینیؒ (متوفی ۹۷۷ھ) اپنی تفسیر السراج المنیر، ج ۱ ص ۵۰۱۲، میں۔

(۱۱) امام محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ (متوفی ۱۲۵۰ھ) اپنی شہرہ افاق کتاب فتح القدیر، خصوصاً ج ۷ ص ۴۷۴ میں۔

(۱۲) علامہ محمد صدیق حسن خانؒ (متوفی ۱۳۰۷ھ) اپنی فتح البیان، ج ۱۵ ص ۱۸۶ میں۔

ان سب کبارِ مفسرین کرام اور ان کے علاوہ بہت سے مفسرین (جن کا اختصار کے پیش نظر میں نے ذکر نہیں کیا) نے اوپر مذکورہ روایات کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات لائے ہیں اور رسول ﷺ اور صحابہ کے عمل کو بیان کر کے اس کی ترغیب دی ہے، اور اس کو نماز وغیر نماز، فرض ونفل سب میں کہنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

"فرض اور نفل نماز کی بحث"

فرض اور نفل نماز میں نیت کے سوا طریقے میں کوئی فرق نہیں، الا یہ کہ وہ فرق جو نص قطعی سے ثابت ہو۔ اور یہ کوئی سمجھنے اور سمجھانے والی بات نہیں کیونکہ اگر فرض اور نفل نماز کے طریقے الگ ہوتے تو محدثین کرام اپنی کتابوں میں فرض اور نفل نماز کے طریقے پر الگ الگ باب باندھتے۔

پہلی مثال:- مثال کے طور پر فرض نماز میں تکبیر تحریمہ اور نفل نماز میں تکبیر تحریمہ کا باب۔

دوسری مثال:- فرض نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے اور نفل نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا باب۔ نیز فرض نماز میں رفع الیدین کرنے اور نفل نماز میں رفع الیدین کرنے کا باب۔

لیکن محدثین کرامؒ نے اس طرح کا کوئی بھی باب اپنی کتابوں میں نہیں باندھا ہے، بلکہ یہ مسائل فرض سے نفل میں قیاس کئے جاتے ہیں اور نفل سے فرض میں۔ تو محدثین کا اپنی کتابوں میں ایسا کوئی باب نہ باندھنا اس بات کی دلیل ہے کہ فرض اور نفل نماز کے طریقے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

لیکن پھر بھی کچھ لوگ اپنا اجتہاد پیش کر کے کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے نفل سے فرض میں قیاس کیا ہوگا۔ اگر چہ کیا بھی ہوگا تو الحمدللہ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کے نزدیک نفل اور فرض نماز کے طریقے میں کوئی فرق نہیں، نفل اور فرض نماز کے طریقے کا ایک جیسا ہونا اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نفل نماز پڑھنے والے امام کے پیچھے مقتدی کی فرض

نماز ہوجاتی ہے، اس بات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نفل اور فرض نماز کے طریقے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

چند دلیلیں پیش خدمت ہیں جس میں علمائے کرام نے فرض نماز کا نفل نماز میں اور نفل نماز کا فرض نماز میں استدلال کیا ہے۔

(۱) ام المومنین عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے رات کے وقت جب اللہ تعالیٰ چاہتا انھیں اٹھا دیتا، آپ ﷺ مسواک کرتے وضو فرماتے اور نو (۹) رکعت پڑھتے۔ آپ ﷺ کسی میں نہ بیٹھتے، صرف آٹھویں رکعت میں بیٹھتے اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے اور اس کے نبی ﷺ پر درود بھیجتے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہوجاتے، نویں رکعت پڑھتے، پھر سلام پھیر دیتے

(مُسْنَدُ اَبِیْ عَوَانَةَ، الصلوٰة، بَابُ بِكَمْ رِكْعَةً يُوْتَرُ، حديث ۲۲۹۵، و سنن النسائی، قيام الليل، باب كيف الوتر بسبع، حديث ۱۷۲۱).

محدث عصر علامہ ناصر الدین البانیؒ اس حدیث کے تحت رقمطراز ہیں کہ یہ حدیث صریح دلیل ہے کہ آپ ﷺ پہلے تشہد میں اپنے لئے اسی طرح درود پڑھتے تھے جس طرح آخری تشہد میں پڑھتے تھے، اور یہ ایک اہم نکتہ ہے اسے پلہ باندھ لیجئے بلکہ داڑھوں سے مضبوط پکڑ لیجئے یہ نہ کہا جائے کہ ایسا صرف رات کی نفلی نماز میں ہوتا تھا میں کہتا ہوں کہ جو بات ایک نماز میں مشروع ہے وہ دوسری نماز میں بھی بلا تفریق فرض ونفل مشروع ہے جو کسی فرق کا مدعی ہوا سے دلیل پیش کرنی چاہئے۔

(تمام المنہ ص ۲۲۴ تا ۲۲۵) بحوالہ فقہ کتاب وسنت قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہی احکام ومسائل، تالیف محمد صبحی بن حلاق۔)

(۲) شیخ عبدالرحمٰن العزیز اپنی کتاب ''صحیح نماز نبوی'' میں جنازے کی نماز میں دعاء استفتاح پڑھنے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ نماز جنازہ میں دعاء استفتاح پڑھا جائے کیونکہ یہ بھی نماز ہے، اور کسی بھی صریح صحیح حدیث میں اس سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ (صحیح نماز نبوی ص ۴۵۱)

تو شیخ عبدالرحمٰن العزیز نے فرض نماز کی دعاء استفتاح کو جنازہ کی نماز میں پڑھنے کے لئے کہا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز کا طریقہ عام ہے حتی کہ نص قطعی سے اس کی ممانعت ثابت نہ ہو۔

(۳) علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے بھی اس مسئلہ پر فرض نماز کی دعاء استفتاح کو جنازہ کی نماز میں پڑھنے کے لئے

ثابت کیا ہے، اس کی دلیل (مقالات عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ ص ۳۰۷ کتاب الجنائز) میں موجود ہے۔

(۴) شیخ عبدالرحمٰن العزیز نے ''صحیح نماز نبوی'' میں فرض نماز سے پہلے تشہد میں درود شریف پڑھنے کی دلیل اللہ کے رسول ﷺ کی نفل نماز سے بیان کیا ہے جو کہ نسائی شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ (صحیح نماز نبوی ص ۱۹۳)

(۵) ابن خزیمہ کی جس حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سجدہ کرتے وقت اپنے دونوں پیروں کو ملا لیا کرتے تھے وہ بھی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے نبی ﷺ کی نفل نماز کے متعلق ہے۔ جس سے استدلال کر کے آج لوگ فرض نماز میں بھی سجدوں میں پیروں کو ملاتے ہیں۔

اور جن علماء نے فرض اور نفل نماز میں قرآنی آیات کے جواب کے لئے تفریق نہیں کی ہے ان میں سے محمد صادق سیالکوٹی، عبدالرزاق بن عبدالحنان، محمد اقبال کیلانی، سید سابق، شیخ صالح الفوزان، حافظ صلاح الدین یوسف، حافظ زبیر علی زئیؒ، امام نوویؒ وغیرہم ہیں، جن کی دلیلیں ان شاء اللہ آگے آئیں گی۔

(۶) اور فتاویٰ کمیٹی سعودی نے بھی یہی اصول بیان کیا ہے۔ اور جب ان سے پوچھا گیا کہ منفرد کو دوران نماز امام بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت جس میں آپ تہجد کی نماز میں نبی ﷺ کے ساتھ شامل ہو جایا کرتے تھے، اسے بیان کر کے کہتے ہیں کہ اصول یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل میں نفل اور فرض میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (فتاویٰ اسلامیہ ج ۱ ص ۳۵۳)

تو پتہ چلا کہ نماز نفل ہو یا فرض ان کے طریقے میں کوئی فرق نہیں جب تک کہ نص سے ممانعت ثابت نہ ہو۔

(۷) شیخ عبدالکریم بن عبداللہ بن حمد الخضیر، شرح بلوغ المرام ۱۳/۲۹ میں حدیث حذیفہؓ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں، **فَهَلْ يُفْعَلُ مِثْلُ هٰذَا فِي الْفَرِيْضَةِ وَالنَّافِلَةِ أَوْيُقْتَصَرُ فِي ذٰلِكَ عَلَى النَّافِلَةِ وَالْأَمْرُ فِيْهَا أَوْسَعُ؟ اَلْأَصْلُ اَنَّ الصَّلٰوةَ وَاحِدَةٌ مَا ثَبَتَ فِي النَّافِلَةِ يَثْبُتُ فِي الْفَرِيْضَةِ هٰذَا الْأَصْلُ مَا دَلَّ الدَّلِيْلُ عَلٰى تَخْصِيْصِ النَّافِلَةِ بِهِ مِمَّا ذَكَرَ سَابِقًا .... اَنّ الْفَرِيْضَةَ وَالنَّافِلَةَ سَوَاءٌ۔** سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر فرض ونفل نماز میں اسی طرح آیتوں کا جواب دے یا صرف نفلوں میں؟ اس معاملہ میں وسعت ہے، اور اصل بات یہ ہے کہ نماز فرض ہو یا نفل (طریقہ) ایک ہی ہے، جو کچھ نفل نماز میں ثابت ہے وہ فرض میں بھی ثابت ہوگا، یہی حقیقت ہے، سوائے اس کے کہ تخصیص کی کوئی دلیل ہو ورنہ فرض نفل برابر ہیں۔

(۸) نماز میں سورتوں کے ترتیب وار پڑھنے یا نہ پڑھنے میں شریعت نے سہولت دی ہے خواہ نماز فرض ہو یا نفل، لیکن دلیل جو دی جاتی ہے وہ نفلی نماز کے واقعہ سے، اور وہ ہے حدیث حذیفہؓ جو مسلم شریف کے اندر موجود ہے کہ نبی ﷺ نے سورہ نساء کے بعد سورہ آل عمران پڑھی جبکہ مصحف میں سورہ آل عمران پہلے ہے اور سورہ نساء بعد میں۔ نیز اسی حدیث میں آیات کے جواب دینے کا ذکر بھی موجود ہے، لیکن سورتوں کے ترتیب کے اعتبار سے فرض نماز میں بھی بلا تخصیص فوراً دلیل مان لیتے ہیں لیکن جب آیات کے جواب دینے کی باری آتی ہے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ وہ نفلی نماز کا واقعہ ہے۔

کیا فرض نماز میں بھی قرآنی آیات کا جواب دینا ثابت ہے؟

واضح رہے کہ بہت سارے صحابہ کرامؓ کا عمل فرض نمازوں میں ثابت ہے جن میں جمعہ کی نماز کا بھی ذکر ہے لہٰذا فرض نماز میں بھی قرآنی آیات کا جواب دینا صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کی سنت ہے۔

لیکن پھر بھی بہت سارے لوگ صحابہ کی ایک بڑی جماعت کا رد کر رہے ہیں بغیر کسی دلیل اور اپنے اجتہاد کی بنا پر، یہ محض انکی نفسانی خواہشات ہی معلوم ہوتی ہے۔

سلف صالحین اور محدثین کرام نے بھی اسے نوافل اور فرائض دونوں کے لئے جائز کہا ہے۔ بہر حال صحابہ کرام کا عمل ہی اس چیز کے لئے کافی ہے کہ فرض نماز میں بھی قرآنی آیات کا جواب دیا جائے۔

لہٰذا محدثین کرام کے نظریات پیش خدمت ہیں۔

(۱) ایک صحابی گھر کے چھت پر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ (ابوداود،ص ۶۵۰)

اس حدیث کے تحت امام ابوداود لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کا کہنا ہے کہ مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ فرض نمازوں میں قرآنی دعائیں کی جائیں، اور انھوں نے فرض نماز کے لئے مستحب کہا ہے۔

(۲) رواہ اَبُوْدَاوُدَ وَالْبَیْھَقِیُّ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ :وَ ھُوَ مُطْلَقٌ فَیَشْمِلُ الْقِرَاءَۃَ فِی الصَّلوٰۃِ وَ خَارِجِھَا ، وَالنَّافِلَۃَ وَالْفَرِیْضَۃِ ، وَ قَدْ رَوَی ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ (۲/۱۳۲/۲) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ وَالْمُغِیْرَۃِ اَنَّھُمَا کَانَا یَقُوْلَانِ ذٰلِکَ فِی الْفَرِیْضَۃِ وَ رَوَاہُ عَنْ عُمَرَ وَ عَلِیٍّ اِطْلَاقًا.

(صفة صلاة النبي للالباني ص ٨٦).

ترجمہ: یہ روایت ابوداوٗد اور بیہقی میں صحیح سند سے مروی ہے۔ اور یہ مطلق ذکر ہوا ہے جو نماز و خارج نماز اور (اسی طرح) نفل اور فرض نمازوں کی قرأت (کو بھی) شامل ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ اور حضرت مغیرہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اسے فرض نماز میں کہتے تھے اور حضرت عمرؓ و علیؓ سے مطلق طور پر روایت ہے۔

لہٰذا اس سے پتہ چلا کہ علامہ ناصر الدین البانیؒ نے فرض نماز میں بھی اس عمل کو جائز کہا ہے۔ تو وہ لوگ جنہیں علامہ ناصر الدین البانیؒ کے اصول زیادہ پسند ہیں ان کو چاہئے کہ اس اصول کو بھی مانیں، اگر وہ لوگ اس چیز کو نہیں مانتے تو گویا کہ اپنے خواہشات نفس کی اتباع کر رہے ہیں۔

(۳) فتاویٰ اصحاب الحدیث میں ہے رسول ﷺ کا یہ معمول اگر چہ صلاۃ اللیل سے متعلق ہے، تاہم محدثین کرام نے اسے عام رکھا ہے، یعنی جب بھی کوئی ایسی آیت کی تلاوت کرے جس میں اللہ کی تسبیح یا پناہ یا سوال کا ذکر ہو تو رسول ﷺ کے اُسوہ پر عمل کرتے ہوئے اس وقت اللہ کی تسبیح بیان کرے، اللہ سے سوال کرے نیز دینی و دنیاوی ضرورتوں میں نقصان وخسران سے متعلق دوران قرأت اللہ کی پناہ طلب کرے۔ (فتاویٰ اصحاب الحدیث ج ا ص ۱۰۷)

فرض نماز میں بھی قرآنی آیات کا جواب دینا صحابہ کے ہی عمل سے ثابت ہے، وہ بھی ایسے ہیں جن کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ اگر چہ انہوں نے نفل پر ہی قیاس کیا ہو پر ان کی جماعت کا فرض نمازوں میں بھی اس عمل کو سرانجام دینا اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح نفل نمازوں میں آیات کے جواب کا ثبوت ہے، اسی طرح فرض نمازوں میں بھی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا ھُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ''

(سورہ بقرہ: آیت: ۱۳۷) اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ھدایت پائیں، اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب آپ کی کفایت کرے گا اور وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ سورہ توبہ آیت:۱۰۰ میں فرماتا ہے: ''وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّلَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ'' (اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے، اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر

رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے)۔

ان آیتوں سے پتہ چلا کہ صحابہ کرامؓ کا یہ عمل قابل حجت ہے اور کسی صحابی سے اسکی مخالفت ثابت نہیں، اور جو لوگ فرض اور نفل نماز میں آیتوں کے جواب کے لئے تفریق کرتے ہیں وہ بھی صحابہ کے عمل سے رد ہو جاتا ہے۔

''مقتدی کے لئے قرآنی آیات کا جواب دینے کے مزید دلائل''

قرآنی آیات کا جواب نماز یا غیر نماز، نفل یا فرض میں دینا ثابت ہے خواہ امام ہو یا مقتدی۔

اس کے چند دلائل پیش حدمت ہیں۔

پہلی دلیل:۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ'' (سورہ احزاب، آیت:۲۱)

ترجمہ: یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ زندگی کے ہر پہلو میں خواہ عبادات ہوں یا معاملات تمام چیزوں میں نبی ﷺ کی اتباع کریں۔

لہٰذا اسی کے مدنظر جب ہم اس مسئلے کو نبی ﷺ کی حدیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آیات کا جواب دینا نبی ﷺ کی سنت سے ثابت ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے، اور سنت کی اتباع کرنا لازم ہے۔

بعض لوگ امام کے لئے تخصیص کرتے ہیں حالانکہ تخصیص اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتی جب تک کہ نص موجود نہ ہو، محض اپنے عقل کی بنا پر امام و مقتدی میں تخصیص کرنا درست نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک تخصیص کی کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے عموم کا ہی اعتبار ہوگا۔

(فتح الباری جلد ۱۲، ص ۲۶۱، تحت حدیث نمبر ۲۹۱۵ نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام از مولانا زبیر علی زئیؒ)۔

دوسری دلیل:۔ صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (بخاری ح ۶۳۱)

آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ نماز اسی طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ چنانچہ صحیح احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ نبی ﷺ ان آیات کے جوابات دیا کرتے تھے۔ لہٰذا مقتدیوں کو بھی آیات کے جوابات دینا چاہئیں، ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ مخالفین اس کے مقابلے میں ایسی کوئی دلیل دکھائیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ مقتدی اور

سامع کو ان آیات کا جواب نہیں دینا ہے۔

تیسری دلیل:۔ ''اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ'' (بخاری، تعلیقاً، بَابُ الْقِرَاْۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ، و مسلم ح ۹۲۱، ابوداؤد، ح ۶۰۴) صحیحین میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ امام اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اتباع کی جائے۔

اس حدیث سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ مقتدی کو امام کی اقتدا کرنی چاہئے چونکہ آپ ﷺ سے آیات کا جواب دینا ثابت ہے، اسی وجہ سے مقتدی کو بھی امام کی اقتدا میں قرآنی آیات کا جواب دینا ہے۔

چوتھی دلیل:۔ فَلْیَصْنَعْ کَمَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ. (ترمذی ح ۵۹۱، طبرانی ح۲۶۷ وصححہ الالبانی فی صحیح ابی داؤد ۵۲۲ و صحیح الجامع ۲۶۱) رسول ﷺ نے فرمایا کہ مقتدی اسی طرح کرے جیسے امام (نماز) میں کرے۔

پانچویں دلیل:۔ حضرت امامہؓ بن سہل روایت کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ مقتدی وہ سب کام کرے جو ان کا امام کرتا ہے۔ (حاکم ج ۱ ص ۳۶۰، امام حاکم نے اسے شیخین کے شرط پر صحیح کہا ہے)۔ شیخ ناصر الدین البانیؒ نے بھی ارواء الغلیل میں صحیح کہا ہے، یہ روایت موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہے، کیونکہ اصول حدیث ہے کہ اگر کسی صحابی نے کسی عمل کے لئے یہ کہا کہ یہ سنت ہے تو وہ مرفوع میں شمار ہوتی ہے۔ اسلئے اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مقتدی کو ہر حال میں امام کی اقتدا کرنی چاہئے چونکہ آپ ﷺ سے قرآنی آیات کا جواب دینا ثابت ہے۔

چھٹی دلیل:۔ صحیح مسلم میں ہے کے آپ ﷺ نے فرمایا اِئْتَمُّوْا بِاَئِمَّتِکُمْ ۔ اپنے امام کی پیروی کرو۔ اس حدیث کو امام مسلم کتاب الصلاۃ باب ائتمام الماموم بالامام، (مقتدی کو امام کی پیروی ضروری ہے) ح ۴۱۳ میں لائے ہیں۔ اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مقتدی بھی امام کی اقتدا میں قرآنی آیات کا جواب دیں گے۔

ساتویں دلیل:۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ جس میں اللہ کے رسول ﷺ سورہ رحمٰن کی تلاوت کرتے ہیں اور پھر صحابہ کرام سے کہتے ہیں تم سے بہتر جنات کی جماعت ہے جب بھی وہ سنتے ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ'' تو کہتے ''لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ''

ترمذی کی اس حدیث میں سننے والوں کیلئے قرآنی آیات کا جواب دینے کی تاکید ہے اور جو جواب نہ دے اس

سے بہتر جواب دینے والا ہے۔ یہ سننے والوں کیلئے عام ہے، خواہ وہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں محض قیاس کی بنا پر اس مسئلے کو خاص کرنا مناسب نہیں جیسا کہ علامہ محمد رئیس ندویؒ فرماتے ہیں: ہم کہتے ہیں کہ کسی سورۃ یا آیات کا جواب نماز کے اندر یا باہر دینے کا تعلق تعبدی معاملہ ہے یہ انسان کی سمجھ پر منحصر نہیں ہے۔ (حوالہ: رسول اکرم ﷺ کی نماز کا صحیح طریقہ ص: ۲۴۸)

تو نماز یا غیر نماز کیلئے تخصیص درست نہیں کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کی یہ تاکید سننے والوں کیلئے عام ہے خواہ نمازی ہو یا غیر نمازی۔

آٹھویں دلیل:۔ رب ذوالجلال کا ارشاد ہے ’’وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ‘‘ ترجمہ: اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ (کلام) کو سنتے ہیں تو آپ اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں، اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، پس تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں۔ (سورہ مائدہ آیت: ۸۳)۔

نویں دلیل:۔ ’’وَاِذَا يُتْلٰی عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ‘‘ سورہ (القصص آیت: ۵۳) ترجمہ: اور جب اسکی آیتیں ان کے پاس پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کے ہمارے رب کی طرف سے حق ہونے پر ہمارا ایمان ہے، ہم تو اس سے پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔

یہ آیات بھی سننے والوں ہی کے طرف سے ہے اور اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ جب وہ لوگ قرآن کی تلاوت کو سنتے تو اس کے جواب میں وہ بھی کلام کرتے تھے۔

حافظ زبیر علی زئیؒ نے بھی ان آیتوں سے قرآنی آیات کے جواب دینے کی دلیل لی ہے لیکن انہوں نے صرف پڑھنے والوں کیلئے اس کا جواز دیا ہے۔ بلکہ اس میں سامعین کا بھی ذکر ہے اور یہ اس بات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جب امام ’’سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه‘‘ کہتا ہے تو مقتدی بھی ’’سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه‘‘ کہیں جیسا کہ حافظ زبیر علی زئیؒ نے بھی اس مسئلہ پر یہی لکھا ہے مقتدی کے بارے میں وہ بھی امام کے پیچھے ’’سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه‘‘ کہیں کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ امام ’’سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه‘‘ کہے اور مقتدی ’’سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه‘‘ نہ کہیں۔ (حوالہ فتاویٰ علمیہ، ج۱ص۲۷۸)

حافظ زبیر علی زئیؒ کے اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ قاری وسامع (مقتدی) بھی قرآنی آیات کا جواب دیں گے۔

دسویں دلیل:۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، ’’مَنْ قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی ،وَ مَنْ قَرَأَ لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ اِلٰی آخِرِهَا ،فَلْيَقُلْ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ فَبَلٰی ،اِمَامًا كَانَ اَوْ غَيْرَه ذَكَرَهُ الْخَطِيْبُ‘‘ (مرعاۃ المفاتیح ج۳ص۱۷۴میں مولانا عبیداللہ مبارکپوریؒ فرماتے ہیں (وَ اَخْرَجَهُ اَيْضًا الْحَاكِمُ وَالطَّبْرَانِيُّ ، وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَ وَفَقَهُ الذَّهْبِيُّ ، وَقَالَ الْعَزِيْزِيُّ هُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ’’سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی‘‘ کی قرأت کرے خواہ امام ہو یا کوئی اور اسے ’’سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی‘‘ کہنا چاہئے اور جو ’’لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ‘‘ آخر تک پڑھے تو اسے ’’سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ فَبَلٰی‘‘ کہنا چاہئے، خواہ امام ہو یا کوئی اور (یعنی مقتدی)۔

گیارہویں دلیل:۔ حضرت عمرؓ کا عمل ہے۔ عبداللہ بن سائبؓ (صحابی) کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں حضرت عمر فاروقؓ کو آنے دیری ہوئی تو میں نے نماز پڑھائی، دوران نماز حضرت عمرؓ داخل ہوئے اور صف میں میرے پیچھے ہی تھے، میں نے سورہ ذاریات آیت نمبر۲۲، کی تلاوت کی، جب میں اس آیت ’’وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ‘‘ پر پہنچا تو حضرت عمرؓ نے اپنی آواز اتنی بلند کرتے ہوتے کہ مسجد گونج گئی کہا ’’اَشْهَدُ‘‘ (میں گواہی دیتا ہوں)۔ (أَخْرَجَ اَبُوْ عُبَيْدٍ فِي فَضَائِلِ الْقُرْآنِ ، بَابُ مَايُسْتَحَبُّ لِقَارِيءِ الْقُرْآنِ مِنَ الْجَوَابِ عِنْدَ الْآيَةِ وَالشَّهَادَةِ لَهَا. ص ۸۱۲) یہ روایت دو الگ الگ سندوں سے مروی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عمرؓ نے مقتدی ہونے کی حالت میں جواب دیا، مزید تفصیل ذیل کی حدیث ملاحظہ ہو:

ابوعبید القاسم بن سلام البغدادی (المتوفی ۲۲۴) نے کہا:

’’حَدَّثَنَا حجاج ، عن ابن جريج ، قال أخبرني عبدالله بن عثمان بن خيثم ، عن يوسف بن ماهك ،عن عبدالله بن السائب ،قال: أخر عمر بن الخطاب كرم الله وجهه العشاء الآخرة فصليت ،و دخل فكان في ظهري ، فقرأت :((وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا))(۵۱/الذاريات: ۱) حتى أتيت على قوله : وَفِي السَّمَاءِ رِزْقكم وَما توعدون)

(۵۱/الذاريات : ۲۲) فرفع صوته حتى ملأ المسجد :’’أشهد،، حواله فضائل القرآن لأبي عبيد ص : (۱۴۹) وفي ’’عبدالله بن عثمان بن خيثم ،، كلام لا يحتمل معه التفرد بمثل هذا الحديث

،و من طرق أبی عبید أخرجه المستغری فی فضائل القرآن (١٧٤/١) ،و أخرجه أیضاً ابو عبید فی فضائل القرآن فی فضائل القرآن ص: (١٤٩) من طرق جعفر بن ایاس منقطعاو لفضه :و أشهد ،،.

”عبداللہ بن سائبؓ کہتے ہیں کہ عمر فاروقؓ نے ایک دفعہ عشاء کی نماز میں تاخیر کی اور میں نے نماز پڑھائی تو وہ میرے پیچھے آ گئے پھر میں نے سورہ ذاریات پڑھی اور جب آیت (وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ) (۵۱/الذاریات : ۲۲) اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے) پر میں پہنچا تو انہوں نے آواز بلند کی یہاں تک کہ مسجد گونج گئی اور کہا: ”اشھد ،،(میں گواہی دیتا ہوں)۔

مذکورہ حدیث کے راوی ،عبداللہ بن عثمان بن خثیم کے بارے میں محدثین نے جرح کی ہے متعدد محدثین نے ثقہ کہا ہے اور ایک جماعت نے اسے ضعیف بھی کہا ہے۔

اس راوی کی توثیق اور اس پر جرح کے اختلاف کے سبب بعض محققین اسے صدوق مانتے ہیں بعض محققین اسے ضعیف مانتے ہیں۔بعض محققین اس کے بارے میں توقف کرتے ہیں ،جیسا کہ شیخ عبداللہ بن ضیف اللہ الرحیلی امام ذہبی کی ایک کتاب میں مذکورہ راوی پر حاشیہ لگاتے ہوئے فرماتے ہیں ،خلاصہ یہ ہے کہ یہ راوی مختلف فہ ہے اور میرے لئے جرح کے بالمقابل اسے ثقہ قرار دینے یا اس کے برعکس فیصلہ کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اس لئے میں اس کے سلسلے میں توقف کرتا ہوں ،(حوالہ من تکلم فیہ وھوموثق ت الرحیلی :ص۳۰۳)

نیز یہ روایت اسی سند سے مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی موجود ہے۔

صحابۂ کرامؓ کا عمل بھی قرآن وحدیث کی تائید میں ہونے پر قابل قبول ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا“ ترجمہ:اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں ، (سورہ البقرہ آیت:۱۳۷)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ“ ترجمہ: اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر کے رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔ (سورہ توبہ آیت:۱۰۰)

یعنی جو قرآن وحدیث کی روشنی میں صحابہ کی پیروی کرے اللہ ان سے بھی راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ بھی یہی کہتی ہیں جیسا کہ امام ابوداودؒ نے اپنی کتاب میں روایت لائی ہے نبی کریم ﷺ کے آخری خطبہ کے تعلق سے ارشادی گرامی ہے: ”أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ،تَمَسَّكُوا بِهَا وَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَ إِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ ،فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، و كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ “ [ابو داؤد :۴۶۰۷.و صححه الألبانی] (ابوداود، حدیث نمبر۴۶۰۷) ترجمہ: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے تقوی کا، بات سننے اور اطاعت کرنے کا تاکیدی حکم دیتا ہوں اگر چہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔اور میرے بعد تم میں سے جو(لمبا عرصے تک) زندہ رہیگا وہ عنقریب (امت میں) بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔پس میری سنت اور میرے ان خلفاء کی سنت کو لازم پکڑنا جو ہدایت یافتہ اور نیکوکار ہوں گے۔تم اسے مضبوطی سے تھام لینا اور ہاتھ سے نکلنے نہ دینا۔اور (دین میں) نئے نئے کام ایجاد کرنے سے بچنا کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔،،

علامہ البانیؒ اور حافظ زبیر علی زئیؒ نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔اس حدیث سے واضح ہے کہ رسول ﷺ نے ہمیں اختلافات کے وقت اپنی اور خلفائے راشدین کی سنت کو تھامے رکھنے بلکہ دانتوں سے جکڑے رکھنے کا حکم دیا ہے۔

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں آثار صحابہ ہمارے لئے حجت نہیں ،”معاذ اللہ“۔ واضح رہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ خلفائے راشدین میں سے ہیں اور ان دونوں سے ”سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى“ کے جواب میں ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلَى“ کہنا ثابت ہے۔تو یہ عمل نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت ہے۔ جس کی دلیل ان شاء اللہ آگے ملاحظہ فرمائیں گے۔

اور جب اختلاف ہو جائے تو نبی ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔لیکن کچھ لوگ اپنا اجتہاد پیش کر کے صحابہ کرامؓ کا رد کرتے ہیں ،بہرحال ان لوگوں کا اجتہاد صحابہ کرام کے قول وعمل

کے سامنے کچھ بھی معنی نہیں رکھتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ باقی رہ جانے والوں میں سے حضرت علیؓ سنت کے بارے میں سب میں زیادہ علم رکھتے ہیں۔لیکن بعض لوگ حضرت علیؓ کی سنت کو قابل عمل نہیں سمجھتے۔

شیخ ارشاد الحق صاحب اثری فرماتے ہیں تمام اوصاف حسنہ سے متصف حضرات مل کر بھی صحابہؓ کے مقام ومرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے: **لاَ تَسُبُّوْا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ.**

(ابن ماجه . باب فضائل أصحاب النبی ﷺ [۱۶۲] صحیح ابن ماجة للألبانی: ۱/۳۲.۳۳)

محمد ﷺ کے اصحاب کو برا بھلا نہ کہنا کیونکہ ایک گھڑی کے لئے ان کا (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) کھڑا ہونا تمہاری پوری زندگی کے عمل سے بہتر ہے۔،،

حضرت ابن عمرؓ (**حلیة الأولیاء : ۱/۳۰۵.۳۰۶**) میں کہتے ہیں: اگر کوئی شخص اقتداء کرنا چاہتا ہو تو وہ اصحابِ محمد ﷺ کی سنت پر چلے جو کہ فوت ہو چکے ہیں۔وہ امت کے سب سے بہتر لوگ تھے، وہ سب سے زیادہ پاکیزہ دل والے، سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے۔اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کو اگلی نسلوں تک پہنچانے کیلئے منتخب کرلیا تھا۔لہٰذا تم انہی کے اخلاق اور طور طریقوں کو اپناؤ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تھے اور صراط مستقیم پر چلنے والے تھے۔،،

چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو برا نہ کہو تم میں سے اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو ان کے چار سو پچاس گرام صدقہ کرنے کے برابر بلکہ اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (بخاری ومسلم، مشاجرات صحابہ ص ۸ سے ۹)۔

سعید بن جبیرؓ اور عمرو بن نوفلؒ نے فرمایا کہ کسی صحابہ کا رسول ﷺ کے ساتھ ملکر جہاد کرنا جس میں انکا چہرہ خاک آلود ہو گیا ہو تمہارے زندگی بھر کے اعمال سے افضل ہے، اگرچہ تم کو عمرِ نوحؑ بھی دے دی جائے۔ (ابوداود، ج ۴ ص ۳۴۴)

اس سے پتہ چلا کہ یہ عمل جو صحابہ کی ایک جماعت نے کیا ہے اسے مطلقاً رد نہیں کیا جاسکتا، جب کہ یہ عمل نبی ﷺ کی

سنت سے بھی ثابت ہے اور آثار صحابہ سے بھی۔لیکن کچھ لوگ اپنے اجتہاد کو پیش کر کے صحابہ کا رد کرتے ہیں بغیر کسی دلیل کے۔

ان سارے دلائل سے پتہ چلا کہ نماز میں بھی قرآنی آیات کا جواب دینا صحیح احادیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں ''**اَلاِتِّبَاعُ اَنْ یَتَّبِعَ الرَّسُوْلَ مَاجَاءَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ وَعَنِ الصَّحَابَةِ ثُمَّ هُوَ مَنْ بَعْدُ فِی التَّابِعِیْنَ مُخَیَّرٌ**'' اتباع صرف رسول اللہ ﷺ اور صحاب کرام کی ہے اس کے بعد تابعین میں اختیار ہے۔ (اعلام الموقعین ص ۱۳۹، ج ۲)

امام اوزاعیؒ سے منقول ہے: رسول اکرم ﷺ کا ارشاد دراصل پیغام الٰہی ہے، علم صرف انہیں باتوں کا نام ہے جو صحابہ کرام سے موصول ہوا اور جن باتوں کی اصل ان سے منقول نہ ہو وہ ہرگز علم نہیں۔ (المختصر المؤمل ترجمہ تحقیق المکمل ص ۲)

''امام ومقتدی کے لئے آیتوں کا جواب دینے پر صحابہ کا اجماع ہے،،

حافظ زبیر علی زئیؒ (مقالات ج ۱/ ص ۶۲) میں اجماع کی تعریف لکھتے ہیں۔لغت میں اجماع: اتفاق کو کہتے ہیں دیکھئے القاموس المحیط (ص ۹۱۷) یعنی: امتِ مسلمہ کے اکثر افراد کا کسی بات پر صراحتاً یا بالسکوت اتفاق کر لینا جب کہ ایک بھی ثقہ شخص کا مخالف ہونا معلوم نہ ہوا جماع کہلاتا ہے اور اجماع شرعی حجت ہے، اس لئے آیات کے جواب دینے کے سلسلے میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایات مروی ہیں لیکن کسی بھی صحابی سے نفی ثابت نہیں ہے، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ مسئلہ متفق علیہ تھا یہی وجہ ہے کہ کسی صحابی سے انکار یا نفی کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔معلوم ہوا کہ اس پر صحابہ کرام کا اتفاق تھا۔

کسی سنت کا ترک نفی کی دلیل نہیں۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے لیکن صحابہ کرام سے ثابت نہیں، حالانکہ ان کا یہ اعتراض باطل ہے کیونکہ اگر صحابہ کرام نے اس عمل کو چھوڑ بھی دیا ہوتا تو بھی یہ عمل ترک کی دلیل نہیں ہوتی بلکہ سنت ہوتا، شیخ ارشاد الحق اثری نے مقلدوں کے ترک رفع الیدین والے بعض ضعیف آثار صحابہ کے جواب میں یہ تحریر کیا ہے:

''بعض کے ترک رفع یدین سے اس کی نفی یا اس کے سنت نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ صحیح بخاری شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے دور میں لوگوں نے تکبیرات انتقال (بالخصوص نیچے جاتے ہوئے) کہنا چھوڑ دیا تھا، یہاں تک کہ جب عکرمہؒ جیسے جلیل القدر تابعی نے حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اور اونچی آواز سے ۲۲ تکبیرات انتقال سنیں تو انھوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا، بلکہ ابو ہریرہؓ کے بارے میں غیر مناسب کلمات تک کہہ دئے، مگر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے انھیں خبردار کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی یہی سنت تھی''۔ (صحیح بخاری، ج۱،ص۱۰۸)

حضرت ابو وائل سے ایک صاحب نے پوچھا کہ ہمارے امام سجدہ کے وقت تکبیر نہیں کہتے تھے، مگر اب ہمارے یہ امام سجدہ میں جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں تو تکبیر کہتے ہیں۔ اس پر حضرت ابو وائل نے فرمایا: یَا ابْنَ اَخِیُ اِنَّهَا سُنَّةٌ وَلَكِنَّهَا دَرَسَتْ کہ اے بھتیجے! یہ سنت ہے لیکن یہ ختم ہوگئی ہے۔ (اخبار القضاۃ، ج۳،ص۷۱)

بلکہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا نبی ﷺ جب اوپر سر اٹھاتے یا نیچے کی طرف جھکتے تو تکبیر کہتے ہم آپ ﷺ کے ساتھ یوں ہی نماز پڑھتے تھے، مگر اب یوں نہیں، معلوم نہیں، ''اَمَّا نَسِیْنَاهَا وَاَمَّا تَرَكْنَاهَا''، ہم بھول گئے ہیں یا اس عمل کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔'' (طحاوی وغیرہ)

وَاِنْ لَّمْ يَعْمَلْ بِهَا بَعْضَ الصَّحَابَةِ فَالْحُجَّةُ فِي السُّنَّةِ لَا فِي مَا خَالَفِهَا. (الاستذکار: ج۲،ص ۱۳۱، التعلیق الممجد :ص۸۸) ''اگر چہ بعض صحابہ نے اس پر عمل نہیں کیا، لیکن حجت اور دلیل سنت ہے، نہ وہ جو اس کے خلاف ہے۔''

جس طرح ترک رفع الیدین و تکبیر انتقال کا مسئلہ ہے اسی طرح ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى'' کا بھی مسئلہ ہے۔ اگر یہ صحابہ کرام سے ثابت نہ بھی ہوتا تب بھی ترک کی دلیل نہیں بنتی کیونکہ ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ بہترین فیصل ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے '' فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (سورہ النساء:۶۵) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر آپ جو کچھ فیصلہ کریں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث جو صفحہ نمبر۲۴ میں گزرا اس کے بارے میں مولانا عبید اللہ صاحب مبارکپوریؒ رقمطراز ہیں: ''يُسْتَحَبُّ اَيْضًا لِلسَّامِعِ اَنْ يَّقُوْلَ : سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلَى اِذَا سَمِعَ مِنَ الْقَارِي ''سَبِّحِ اسْمَ

رَبِّكَ الْاَعْلَى'' لِاَنَّهُ لَا دَلِيْلَ فِي الْحَدِيْثِ عَلٰى اخْتِصَاصِ هٰذَاالْقَوْلَ بِالْقَارِي وَبِالْاِمَامِ ، و. لَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذَاالْقَوْلَ لِكَوْنِهِ قَارِئاً اَوْ اِمَاماً، بَلٰى لِاَنَّ مُقْتَضٰى هٰذِهِ الْآيَةِ اَنْ يَّقُوْلَ كُلُّ مَنْ قَرَاءَ هَا اَوْ سَمِعَهَا فِي جَوَابِهَا . سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلَى ، اِمْتِثَالاً لِّلْاَمْرِ ، قَالَ اِمَامُ مَنَاوِيُ فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ اُخِذَ مِنْ ذٰلِكَ اَنَّ لِلْقَارِي اَوْ السَّامِعِ كُلَّمَا مَرَّ بِآيَةِ تَنْزِيْهٍ اَنْ يُّنَزِّهَ اللّٰهِ اَوْ تَحْمِيْدٍ اَنْ يَّحْمَدَهُ اَوْ تَكْبِيْرٍ اَنْ يُكَبِّرُه ، قِسْ عَلَيْهِ ۔

ترجمہ: کہ سامع کیلئے بھی '' سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلَى، کہنا مستحب ہے۔ کیونکہ حدیث میں اس جواب کے قاری یا امام کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کا جواب قاری یا امام ہونے کی حیثیت سے نہیں دیا بلکہ آیت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اسے جو بھی پڑھے اور جو بھی سنے وہ جواب میں ' سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلَى کہے، امر سَبِّحْ، کی پیروی کرتے ہوئے۔

علامہ مناویؒ شرح الجامع الصغیر میں رقمطراز ہیں جو پہلے گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ے میں۔

فَلْيَقُلْ :''بَلٰى '' کے تحت علامہ مناویؒ تحریر فرماتے ہیں۔ لِاَنَّهُ قَوْلٌ بِمَنْزِلَةِ السُّؤَالِ فَيُحْتَاجُ اِلَى الْجَوَابِ حَقُّ الْخِطَابِ اَلَّا يَتْرُكَ الْمخَاطَبُ جَوَابَهُ فَيَكُوْنُ السَّامِعُ كَهَيْئَةِ الْغَافِلِ اَوْ كَمَنْ لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَ نِدَاءً مِنَ النَّاعِقِ بِهِ، صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ، فَهٰذِهِ هَيْئَةٌ سَيِّئَةٌ، وَمِنْ ثَمَّ نَدَبُوا لِمَن مَرَّ بِآيَةِ رَحْمَةٍ أَنْ يَسْأَلَ اللّٰهَ الرَّحْمَةَ . اَوْ عَذَابٍ أَنْ يَّتَعَوَّذَ مِنَ النَّارِ أَوْ يَذْكَرَالجَنَّةَ بِأَنْ يَّرْغَبَ اِلَى اللّٰهِ فِيْهَا اَوِ النَّارِ أَنْ يَسْتَعِيْذَ بِهِ مِنْهَا.

ترجمہ: کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ''اَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ '' سوال کے درجہ میں صادر ہوا ہے جس کے لئے جواب کی ضرورت ہے، اور خطاب کا یہ حق ہے کہ مخاطب اس کے جواب کو ترک نہ کرے، اور سننے والا غافل کی طرح نہ ہو جائے یا اُس شخص کی طرح جو بھونکنے والے کی آہ و بکا کے علاوہ اور کچھ نہیں سنتا، بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ سو یہ بری حالت ہے۔

بس اسی وجہ سے مقتدی کو بھی جواب دینا چاہئے۔

یہیں سے جائز درست قرار پایا کہ جو آیتِ رحمت سے گزرے وہ اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرے اور جو آیتِ عذاب سے گزرے وہ اللہ تعالیٰ سے عذاب کی پناہ مانگے۔ (مرعاۃ المفاتیح ج۳)

مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ جو جمعیت اہلحدیث کے بڑے عالم ہیں جو ۱۹۴۷ء تک دہلی کے مدرسہ رحمانیہ کے شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز تھے، انہوں نے اپنی کتاب مرعاۃ الفاتیح ج ۳ میں ان پندرہویں صدی کے مولیوں کا رد کر دیا ہے، جو یہ لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مقتدی یا سننے والے کو قرآن مجید کی بعض آیات کے جواب دینے کا کوئی ثبوت نہیں۔ مولانا عبیداللہ صاحبؒ نے اپنی مرعاۃ المفاتیح ج ۳، میں یہ تمام مذکورہ دلائل بیان کر کے ان الفاظ میں اپنا فیصلہ تحریر فرمایا ہے فَيُسْتَحَبُّ الْجَوَابُ عِنْدَ تِلَاوَةِ هٰذِهِ الْآيَاتِ لِلْقَارِئِ وَالسَّامِعِ كِلَيْهِمَا إِمَامًا أَوْ مَأْمُومًا أَوْ مُنْفَرِدًا یعنی ان جواب دئے جانے والی آیتوں کی تلاوت کے وقت قاری، سامع خواہ وہ امام ہو یا مقتدی ہو یا منفرد ہو سب کے لئے ان کا جواب دینا مستحب یعنی کارِ ثواب ہے۔

امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ان آیات کے جوابات دینا نماز اور غیر نماز میں قاری، امام، ماموم اور منفرد سب کے لئے مستحب ہے۔ کیونکہ یہ دعائیہ کلمات ہیں جس میں آمین کہنے کی طرح سب برابر ہیں، (الاذکار للنووی)۔

''امام ومقتدی دونوں کے لئے آیتوں کے جواب دینے کے بارے میں متقدمین ومعاصرین ائمہ و علمائے اہل حدیث کا موقف وفتاوے''

(۱) امام شافعیؒ:۔ (متوفی ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں، میں دوست رکھتا ہوں (پسند کرتا ہوں) امام کے لئے کہ جب وہ آیت رحمت کو پڑھے تو ٹھہر جائے، اور اللہ تعالیٰ سے طلب کرے اور لوگ بھی طلب کریں، اور جب آیت عذاب کو پڑھے تو ٹھہر جائے اور خود بھی پناہ چاہے، اور مقتدی بھی چاہیں۔

مَا حَكَاهُ عِنْدَ صَاحِبِ الْعَوْنِ قَالَ الشَّافِعِيُّ فِي الْقَدِيمِ اَحَبُّ لِلْإِمَامِ إِذَا قَرَأَ آيَةَ الرَّحْمَةِ اَنْ يَقِفَ فَيَسْأَلَ وَلْيَسْأَلِ النَّاسُ وَ إِذَا قَرَأَ آيَةَ الْعَذَابِ اَنْ يَقِفَ فَيَسْتَعِيذُ وَ يَسْتَعِيذُ النَّاسُ الخ۔

(۲) امام نوویؒ:۔ (متوفی ۶۷۶ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ ان آیات کے جوابات دینا نماز اور غیر نماز میں قاری کے لئے، امام، ماموم اور منفرد سب کے لئے ہے۔ کیونکہ یہ دعائیہ کلمات ہیں جس میں آمین کہنے کی طرح سب برابر ہیں۔ (الاذکار للنووی)

اور شرح صحیح مسلم للنووی میں ہے أَوْمَرَّ بِآيَةٍ فِيهَا تَسْبِيحٌ سَبَّحَ وَ إِذَا مَرَّ بِسُؤَالٍ سَأَلَ وَ إِذَا مَرَّ

بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ فِيهِ اِسْتِحْبَابُ هٰذِهِ الْأُمُوْرِ لِكُلِّ قَارِئٍ فِي الصَّلَاةِ أَوْ غَيْرِهَا وَ مَذْهَبُنَا اِسْتِحْبَابُهُ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُوْمِ وَالْمُنْفَرِدِ اِنْتَهٰى هٰكَذَا فِي كِتَابِ الْأَذْكَارِ لِلنَّوَوِيِّ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. جب تسبیح کی آیت پڑھے تو تسبیح بیان کرے، جب سوال کا ذکر ہو تو سوال کرے، اور جب تعوذ سے گزرے تو پناہ مانگے، نماز میں قاری کے لئے یہ سب امور مستحب ہیں اور ہم اسے امام مقتدی منفرد سب کیلئے مستحب جانتے ہیں۔

(۳) امام شوکانیؒ:۔ (متوفی ۱۲۵۵ھ) نیل الاوطار ۲/۲۷۴ میں فرماتے ہیں ''یہ امور مصلی غیر مصلی امام و منفرد و مقتدی سب کے لئے مستحب ہے''۔

نیز حدیث حذیفہؓ وعوف بن مالکؓ وغیرہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''قَالَ عِيَاضٌ وَ فِيهِ آدَابُ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ فِي الصَّلَاةِ وَ غَيْرِهَا قَالَ النَّوَوِيُّ وَ فِيهِ اِسْتِحْبَابُ هٰذِهِ لِأُمُوْرٍ لِكُلِّ قَارِئٍ فِي الصَّلَاةِ وَ غَيْرِهَا فَرْضِهَا وَ نَفْلِهَا وَا لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُوْمِ وَالْمُنْفَرِدِ ''یعنی قاضی عیاضؒ نے کہا اس حدیث میں نماز اور غیر نماز میں قرآن کی تلاوت کے آداب بیان ہو گئے۔ اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھنے والے کے لئے یہ مستحب ہے فرض نماز میں ہو یا نفل میں۔ امام ہو یا مقتدی ہو یا اکیلا ہو۔

(۴) علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ:۔ (متوفی ۱۳۲۹ھ) عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۳ ص ۱۰۰ میں ابوہریرہؓ کی حدیث مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ الخ بیان کر کے لکھتے ہیں وَالْحَدِيْثُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ مَنْ يَقْرَأُ هٰذِهِ الْآيَاتِ يُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يَقُوْلَ تِلْكَ الْكَلِمَاتِ سَوَاءٌ كَانَ فِي الصَّلَاةِ وَخَارِجِهَا ۔یعنی یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس پر کہ مستحب یہی ہے کہ جو بھی ان آیات سے گزرے تو جواب میں مذکورہ کلمات کہے خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔ بالکل اسی طرح علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ بھی تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ۹/۲۷۷ میں لکھتے ہیں۔

(۵) شیخ الکل حضرت مولانا سیّد محمد نذیر حسین محدث دہلوی:۔ سوال: کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کہتا ہے کہ آیت (۱) ''اَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ'' اور (۲) ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى'' اور (۳) ''فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُوْنَ'' وغیرہ آیات کا جواب جس طرح سے قاری کو دینا چاہئے، اسی طرح سامع کو بھی دینا چاہئے، اور زید کہتا ہے کہ ان آیات کا جواب صرف قاری کو دینا چاہئے، سامع کو نہیں دینا چاہئے، پس ان دونوں میں سے کس کا قول حق وصواب ہے۔ (بینوا وتوجروا)

الجواب:۔ صورت مسئولہ عنہا میں عمرو کا قول اقرب الی الصواب ہے، یعنی آیات مذکورہ کا جواب جس طرح سے قاری

کو دینا چاہیئے ، اسی طرح سے سامع کو بھی دینا چاہیئے اس لئے کہ رسول ﷺ کا بوقت قرأت ان آیتوں کا جواب دینا ثابت ہے ، اور آپ کا کل قول و فعل امت کے لئے ہر وقت دستور العمل ہے ، تاوقتیکہ اس کی تخصیص کسی وقت خاص یا شخص خاص یا حالت خاص کے ساتھ ثابت نہ ہو ، مثلاً رفع یدین اور وضع یدین علی الصدر اور رفع سبابہ فی التشہد اور جلسہ استراحت اور تورک اور قبل افتتاح قرأت "اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلاً" یا "اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" الخ یا "اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِىْ وَ بَيْنَ خَطَايَاىَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" الخ

ترجمہ: اللہ بہت ہی بڑا ہے ، اللہ کی بہت تعریف ہے ، صبح و شام خدا کی پاکیزگی ہے ، میں نے اپنا رخ اس خدا کی طرف کیا ، جس نے آسمان اور زمین کو بنایا ، اے اللہ میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنا فاصلہ کر دے جتنا مشرق و مغرب میں ہے ۔ کا پڑھنا یا رکوع میں "سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ" ترجمہ: فرشتوں اور روح کا رب پاک ہے ۔ اور سجدہ میں "لَكَ سَجَدَ وَجْهِىْ وَعِظَامِىْ وَمُخِّىْ" ترجمہ: اے اللہ تیرے سامنے میرا چہرہ میری ہڈیاں میرا گودا جھک گیا ۔ کا پڑھنا وغیرہ یہ ایسے افعال ہیں ، جن کی مسنونیت میں کسی طرح کا شک نہیں ہو سکتا ہے ، اور امت محمدیہ میں سے ہر شخص کے لئے یہ افعال مسنون ہیں ، خواہ وہ شخص امام ہو یا مقتدی ، خواہ منفرد ہو ، حالانکہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقتدیوں کو ان امور کی تعلیم فرمائی ہے ، یا عام طرح پر فرمایا ہے کہ جو شخص جب نماز پڑھے تو ایسا کرے پھر بھی یہ احکام ہر شخص کے لئے اسی وجہ سے عام رہے کہ قول و فعل پیغمبر ﷺ تمام افراد امت کے لئے دستور العمل ہوتا ہے ، جب تک حدیث مرفوع سے تخصیص ثابت نہ ہو ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" ترجمہ: تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے ۔
(سورہ احزاب: آیت ۲۱)

پس بنا بر تقریر ہذا ان آیات کا جواب دینا ہر شخص کو چاہیئے خواہ وہ قاری ہو یا سامع ، نماز میں ہو یا غیر نماز میں ، امام ہو یا مقتدی یا منفرد ، اِتِّبَاعًا لِفِعْلِ النَّبِىِّ ﷺ كَمَا رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ كَانَ اِذَا قَرَأَ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" قَالَ "سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلٰى" وَرُوِىَ اَيْضًا عَنْ مُوْسَى بْنِ اَبِىْ عَائِشَةَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُصَلِّىْ فَوْقَ بَيْتِهِ وَكَانَ اِذَا قَرَأَ "اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْىِ َ الْمَوْتٰى" قَالَ "سُبْحَانَكَ فَبَلٰى" فَسَأَلُوْهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرَوَى الْبَيْهَقِىُّ

عَنْ عَلِىٍّ اَنَّهُ قَرَأَ فِى الصُّبْحِ "بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" فَقَالَ "سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلٰى" اَلْحَدِيْثُ وَرَوٰى اَبُوْدَاوُدَ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكِ الْاَشْجَعِىِّ قَالَ قُمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَقَامَ فَقَرَأَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ لَا يَمُرُّ بِاٰيَةِ رَحْمَةٍ اِلَّا وَقَفَ فَسَأَلَ وَلَا يَمُرُّ بِاٰيَةِ عَذَابٍ اِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ قَالَ ثُمَّ رَكَعَ بِقَدَرِ قِيَامِهِ يَقُوْلُ فِىْ رُكُوْعِهِ "سُبْحَانَ ذِى الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ" ثُمَّ سَجَدَ بِقَدَرِ قِيَامِهِ ثُمَّ قَالَ فِىْ سُجُوْدِهِ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ قَامَ فَقَرَأَ بِاٰلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَرَأَ سُوْرَةً (الحديث واخرجه مسلم والترمذى والنسائى و ابن ماجه بنحوه مختصرا ومطولا) وَرَوَى التِّرْمِذِىُّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةَ الرَّحْمٰنِ مِنْ اَوَّلِهَا اِلٰى اٰخِرِهَا فَسَكَتُوْا فَقَالَ لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلَى الْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ فَكَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِّنْكُمْ كُنْتُ كُلَّمَا اَتَيْتُ عَلٰى قَوْلِهٖ "فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ" بِاَنْ قَالُوْا : "لَا بِشَىْءٍ مِّنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ" انتهٰى.

آنحضرت ﷺ جب "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" پڑھتے تھے تو "سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلٰى" کہتے تھے ، ایک آدمی اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ رہا تھا جب اس نے "اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْىِ َ الْمَوْتٰى" پڑھا ، تو کہا "سُبْحَانَكَ فَبَلٰى" لوگوں نے اس بارے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہے ۔ بیہقی میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے صبح کی نماز میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" پڑھا تو فرمایا "سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلٰى" عوف بن مالک کہتے ہیں کہ ایک رات آپ ﷺ نے نماز میں سورہ بقرہ شروع کی جب آپ کوئی رحمت کی آیت پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور خدا سے رحمت کا سوال کرتے اور جب عذاب کی آیت پڑھتے تو اس سے پناہ مانگتے ، پھر آپ نے قیام کے برابر رکوع کیا اور اس میں "سُبْحَانَ ذِى الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ" پڑھتے رہے پھر سجدہ بھی قیام کے برابر کیا اور اس میں بھی رکوع والی دعا پڑھتے رہے پھر آپ کھڑے ہوئے تو سورہ آل عمران اور سورہ پڑھی ۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ پر سورہ رحمٰن پڑھی وہ خاموشی سے سنتے رہے ، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے جنوں کی رات میں یہی سورہ جنوں پر پڑھی تھی وہ تم سے جواب دینے میں اچھے رہے ، جب بھی میں پڑھتا "فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ" تو وہ جواب دیتے "لَا بِشَىْءٍ مِّنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ" اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے تیرے ہی لئے سب

تعریفیں ہیں۔

ترمذی کی اس حدیث سے یہ امر بھی معلوم ہوا کہ اس قسم کی آیتوں کا جواب قاری یا مصلی کا اعتبار سے نہیں ہے بلکہ خود اس کلام پاک کے معنی اور موقع کے لحاظ سے ہے۔ جب ہی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے سکوت پر اعتراض فرمایا، اور جنات کے جواب دینے کو مدحیہ طور پر ذکر فرمایا، حالانکہ آپ ﷺ نے اس واقعہ سے قبل صحابہ کرام کو اس جواب کی تعلیم نہیں فرمائی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی جن جن آیتوں کا جواب دیا ہے وہ اس خصوصیت سے نہیں کہ آپ امام تھے یا قاری تھے، بلکہ ان آیتوں کا معنی اور موقع ہی ایسا ہے کہ جب وہ آیت پڑھی جاوے تو پڑھنے والا اور سننے والا ہر شخص اس کا جواب جو احادیث سے ثابت ہو دیوے۔

قَالَ الْمَنَاوِیُّ فِی شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ کَانَ اِذَا قَرَأَ قَوْلَهُ تَعَالٰی '' اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِ یَ الْمَوْتٰی '' قَالَ ''بَلٰی'' وَاِذَا قَرَأَ '' اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ '' قَالَ بَلٰی لِاَنَّ قَوْلَهُ بِمَنْزِلَةِالسُّوَالِ فَیَحْتَاجُ اِلَی الْجَوَابِ وَمِنْ حَقِّ الْخِطَابِ اَلَّا یُتْرَکَ الْمُخَاطَبُ جَوَابَهُ فَیَکُوْنُ السَّامِعُ کَهَیْئَةِالْغَافِلِ اَوْکَمَنْ لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَّ نِدَاءً مِّنَ النَّاعِقِ بِهِ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ،فَهٰذِهِ هَیْئَةٌ سَیِّئَةٌ وَ مِنْ ثَمَّ نَدَبُوْالِمَنْ مَرَّ بِاٰیَةِ رَحْمَةٍ أَنْ یَسْأَلَ اللّٰهَ الرَّحْمَةَ . اَوْ عَذَابٍ أَنْ یَّتَعَوَّذَ مِنَ النَّارِ أَوْ یَذْکَرَالجَنَّةَ بِأَنْ یَّرْغَبَ اِلَی اللّٰهِ فِیْهَا اَوِ النَّارِ أَنْ یَسْتَعِیْذَ بِهٖ مِنْهَااَنْتَهٰی ثُمَّ قَالَ. اِذَا قَرَأَ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی'' قَالَ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَیَ'' کَمَا سَمِعْتَهُ فِیْمَا قَبْلَهُ وَاَخَذَمِنْ ذٰلِکَ اَنَّ لِلْقَارِیِ اَوِالسَّامِعِ کُلَّمَا مَرَّ بِاٰیَةِ تَنْزِیْهٍ اَنْ یُّنَزِّ هَ اللّٰهُ اَوْ تَحْمِیْدٍاَنْ یَّحْمَدَهُ اَوْتَکْبِیْرٍ اَنْ یُّکَبِّرَهُ وَقِسْ عَلَیْهِ اَنْتَهٰی.

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کا یہ قول'' اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِ یَ الْمَوْتٰی '' پڑھے، تو کہے'' بَلٰی ''اور جب'' اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ '' پڑھے، تو ''بَلٰی '' کہے، کیونکہ ان میں سوال کیا گیا ہے جس کا جواب دینا چاہئے، اور خطاب کا حق ہے کہ مخاطب کلام کا جواب دے، اگر نہ دیگا تو سامع بے خبروں کی طرح ہوگا یا جیسے کوئی جانور، جو آواز تو سنتا ہے لیکن مطلب نہیں سمجھتا، یا کسی اندھے، گونگے، بہرے کی طرح جسے کچھ سمجھ نہ آئے۔ یہ حالت تو بہت بری حالت ہے۔ پھر مستحب ہے کہ رحمت کی آیت سے گذرے تو رحمت کا سوال کرے، عذاب کی آیت سے گذرے تو پناہ مانگے، جنت کا تذکرہ ہو تو اس کا سوال کرے، دوزخ کا تذکرہ ہو تو پناہ مانگے، پھر فرماتے ہیں کہ جب ''سَبِّحِ

اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی '' پڑھے تو ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی '' کہے جیسا کہ آپ نے اس سے پہلے ملاحظہ فرمایا اور اسی سے یہ دلیل لی گئی ہے کہ قاری یا سامع جب آیت تنزیہ سے گزرے تو اللہ کی پاکی بیان کرے یا آیت تحمید سے گزرے تو اس کی حمد بیان کرے یا آیت تکبیر سے گزرے تو اس کی تکبیر بیان کرے بقیہ اسی پر قیاس کریں۔

اور شرح صحیح مسلم للنووی میں ہے أَوْمَرَّ بِأٰیَةٍ فِیْهَا تَسْبِیْحٌ سَبَّحَ وَ اِذَا مَرَّ بِسُوَالٍ سَأَلَ وَ اِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ فِیْهِ اِسْتِحْبَابُ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ لِکُلِّ قَارِیءٍ فِی الصَّلَاةِ أَوْ غَیْرِهَا وَ مَذْهَبُنَا اِسْتِحْبَابُهُ لِلْاِمَامِ وَالْمَامُوْمِ وَالْمُنْفَرِدِ اَنْتَهٰی هَکَذَا فِی کِتَابِ الْاَذْکَارِ لِلنَّوَوِیِّ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

حَرَّرَهُ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدٌ اِدْرِیْسُ عُفِیَ عَنْهُ (سید محمد نذیر حسین محدث دھلوی)

فتاویٰ نذیریہ کتاب الصلوۃ، جلد اول صفحہ ۴۲۰ تا ۴۲۲

شیخ الکل حضرت مولانا سیّد محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ،

ناشر: اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار، لاہور

(۶) شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ:- سوال: مقتدی جب ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی '' سنے تو امام کے ساتھ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی'' پڑھے یا نہ، اسی طرح'' اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ '' سن کر ''بَلٰی وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ '' پڑھے یا نہ پڑھے؟

جواب:- حدیث شریف میں اتنا آیا ہے کہ جو کوئی'' اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ '' پڑھے تو ''بَلٰی'' کہے، سننے والے کی بابت میرے ناقص علم میں کوئی حکم نہیں، الا یہ کہ واقعہ سورۃ الرحمٰن پر قیاس کیا جاتا ہے، جس میں ذکر ہے کہ ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ'' کے جواب دینے کی حضور ﷺ نے ترغیب فرمائی تھی کہ جواب میں کہا کرو ''لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ'' یہ تعلیم سورۃ الرحمٰن کے متعلق ہے مگر قیاس کیا جاتا ہے کہ اس قسم کے اور سوالات کے جوابات دینے بھی جائز ہیں۔ (۲۷/ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ)

حوالہ: شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ

فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل، باب دوم نماز اور اس کے متعلقات،

مرتبہ: مولانا محمد داؤد صاحب راز ''ادارہ ترجمان السنۃ''، لاہور

(۷) شیخ ابن بازؒ :۔سوال : میں نے بعض نمازیوں کو سنا ہے کہ وہ نماز میں قرأت کے دوران قرأت کو قطع کر کے مناسب دعائیں کرنا شروع کر دیتے ہیں، مثلاً جنت کے ذکر کے موقعہ پر وہ یہ دعاء کرتے ہیں۔"**اَللّٰهُمَّ اِنِّیُ اَسُئَلُکَ الُجَنَّةَ**" اس طرح جہنم کے ذکر کے موقعہ پر وہ یہ دعاء کرتے ہیں: "**اَللّٰهُمَّ اَجِرُنِیُ مِنَ النَّارِ**" تو کیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے؟

جواب:۔ جو شخص بھی نماز کے اندر یا نماز سے باہر قرآن مجید کی تلاوت کرے اس کے لئے یہ مسنون ہے کہ جب وہ آیت رحمت کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرے، جب آیت عذاب کی تلاوت کرے تو اس سے جہنم کی آگ سے پناہ چاہے، جب اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کی آیت تلاوت کرے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تنزیہ بیان کرے اور اس موقعہ پر سبحانہ وتعالیٰ یا اس طرح کے دیگر کلمات کہہ لے اور جو یہ پڑھے:"**اَلَیُسَ اللّٰهُ بِاَحُکَمِ الُحَاکِمِیُنَ**" تو اس کے لئے مستحب ہے کہ یہ کہے "**بَلٰی وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِیُنَ**" جب یہ پڑھے:"**اَلَیُسَ ذٰلِکَ بِقٰادِرٍ عَلیٰ اَنُ یُّحُیِ یَ الُمَوُتٰی**" تو کہے "**بَلیٰ اَشُهَدُ**" جب یہ پڑھے "**فَبِاَیِّ حَدِیُثٍ بَعُدَهٗ یُؤمِنُوُنَ**"تو یہ کہے"**آمَنُتُ بِاللّٰهِ**"جب یہ پڑھے "**فَبِاَیِّ اٰ لَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰانِ**" تو یہ کہے"**لَا بِشَیُءٍ مِّنُ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الُحَمُدُ**"اور جب یہ پڑھے"**سَبِّحِ اسُمَ رَبِّکَ الُاَعُلیَ**" تو کہے " **سُبُحَانَ رَبِّیَ الُاَعُلیَ**" یہ کلمات امام، مقتدی اور منفرد سب کے لئے کہنا مستحب ہے کیونکہ یہ دعاء آمین کی طرح سب سے مطلوب ہے۔اسی طرح اگر کوئی شخص نماز سے باہر ان آیات کی قرأت کرتا ہے تو پھر بھی اس کے لئے یہی حکم ہے۔

شیخ ابن بازؒ (حوالہ: فتاویٰ اسلامیہ، کتاب الصلاۃ)(جلد اوّل) صفحہ نمبر ۴۱۳ تا ۴۱۴،

جمع وترتیب: فضیلۃ الشیخ محمد بن عبد العزیز المسند حفظ اللہ

ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظ اللہ

(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

اعتراض:۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ آیت کا جواب دینا امام کے ساتھ خاص ہے، مقتدی کے لئے نہیں؟

جواب:۔ تو عرض یہ ہے کہ جہاں جہاں بھی علماء نے امام کے ساتھ خاص کیا ہے وہ ان کا اجتہاد ہے، نبی ﷺ کا قول نہیں ہے، حالانکہ نبی ﷺ کی حدیث ہوتے ہوئے کسی کو اجتہاد کا حق نہیں ہے، اگر دین اسلام کے اندر امت مسلمہ

کے لئے ہر عمل صحابہ کرام سے ثابت ہونا ضروری قرار دیا جائے اور نبی ﷺ کا عمل صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص کیا جائے، تو پھر ہمارا یہ اصول اللہ کے اس کلام کے خلاف ثابت ہوگا "**لَقَدُ کَانَ لَکُمُ فِیُ رَسُوُلِ اللّٰهِ اُسُوَةٌ حَسَنَةٌ**" (الاحزاب آیت : ۲۱) یعنی) یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عمدہ نمونہ موجود ہے، اور آدھا اسلام ہمارے ہاتھ سے نکل جائیگا، کیونکہ بہت سے اعمال ایسے ہیں جو صحابہ سے ثابت نہیں ہے لیکن اس پر پوری امت عمل کر رہی ہے۔

جیسا کہ استاذ الکل فی الکل مولانا مفتی میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ ایک سوال کے جواب میں تائیداً تحریر فرماتے ہیں: آیات مذکورہ کا جواب جس طرح قاری کو دینا چاہئے اسی طرح سامع کو بھی دینا چاہیئے۔اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے بوقت قرأت ان آیات کا جواب دینا ثابت ہے اور آپ ﷺ کا ہر قول وفعل امت کے لئے ہر وقت دستور العمل ہے تا وقتیکہ اس کی تخصیص وقت خاص یا شخص خاص یا حالت خاص کے ساتھ ثابت نہ ہو۔مثلاً رفع الیدین اور وضع الیدین علی الصدر اور رفع سبابہ فی التشہید اور جلسہ استراحت اور تورک اور قبل افتتاح قرأت کے "**اَللّٰهُ اَکُبَرُ کَبِیُرًا وَالُحَمُدُ لِلّٰهِ کَثِیُرًا وَسُبُحَانَ اللّٰهِ بُکُرَةً وَّاَصِیُلاً**" یا "**اِنِّیُ وَجَّهُتُ وَجُهِیَ لِلَّذِیُ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالُاَرُضَ**" الخ یا "**اَللّٰهُمَّ بَاعِدُ بَیُنِیُ وَ بَیُنَ خَطَایَایَ کَمَابَاعَدُتَّ بَیُنَ الُمَشُرِقِ وَالُمَغُرِبِ**" الخ پڑھنا یا رکوع میں "**سُبُّوُحٌ قُدُّوُسٌ رَبُّ الُمَلٰائِکَةِ وَالرُّوُحِ**" ترجمہ: فرشتوں اور روح کا رب پاک ہے۔اور سجدہ میں "**لَکَ سَجَدَ وَجُهِیُ وَعِظَامِیُ وَمُخِّیُ**" پڑھنا وغیرہ یہ ایسے افعال ہیں جن کی مسنونیت میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔اور امت محمدیہ میں ہر شخص کے لئے یہ افعال مسنون ہیں خواہ وہ شخص امام ہو یا مقتدی، خواہ منفرد ہو حالانکہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقتدیوں کو ان امور کی تعلیم فرمائی ہو۔پھر بھی یہ احکام ہر شخص کے لئے اسی وجہ سے عام رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ **صَلُّوُا کَمَا رَأَیُتُمُوُنِیُ اُصَلِّیُ** یعنی اسی طرح نماز پڑھو جیسا کہ تم مجھے پڑھتے دیکھتے ہو اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب آیت نمبر ۲۱، میں فرمایا ہے "**لَقَدُ کَانَ لَکُمُ فِیُ رَسُوُلِ اللّٰهِ اُسُوَةٌ حَسَنَةٌ**" پس بنا بر تقریر ہذا آیات مسئولہ کا جواب ہر شخص کو دینا چاہئے خواہ وہ قاری ہو یا سامع، نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔آپ ﷺ کا یہی دستور تھا، ہم کو بھی اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔واللہ اعلم بالصواب۔

(۸) محمد لقمان السّلفی:۔(ایم،اے، پی ایچ ڈی (حدیث نبوی)

شیخ محمد لقمان السّلفی اپنی تفسیر، "تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن" میں سورہ اعلیٰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں "سعید بن منصورؒ، عبد

بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ اور حاکمؒ وغیرہ نے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ وغیرہم سے روایت کی ہے کہ جب یہ حضرات نماز میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی" پڑھتے تو اس کے بعد "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی" کہتے، اور قتادہؒ کہتے ہیں، ہمیں یہ بات بتائی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی" پڑھتے تو "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی" کہتے، انتہی

یعنی اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کو جو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے ارفع واعلیٰ رب کی پاکی بیان کریں، اس کو فوراً بجالاتے ہوئے کہتے کہ میرا اعلیٰ وارفع رب تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے۔

(۹) مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی:۔

سوال: قرآن مجید کی جن سورتوں میں جوابات دینا حدیث میں آیا ہے، کیا وہ جوابات صرف امام دے یا مقتدی کے لئے بھی جائز اور مستحب ہے۔

جواب:۔ قرآن مجید کی جن سورتوں کے جوابات حدیثوں میں آ گئے ہیں وہ جس طرح امام کے لئے جائز اور مستحب ہیں اسی طرح مقتدی کے لئے بھی جائز ہیں، بلکہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سامعین کا جواب دینا بہت محبوب تھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب القرأۃ میں ہے وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَصْحَابِہٖ فَقَرَأَعَلَیْھِمْ سُوْرَۃَ الرَّحْمٰنِ مِنْ اَوَّلِھَا اِلٰی اٰخِرِھَا فَسَکَتُوْافَقَالَ لَقَدْ قَرَأْتُھَا عَلَی الْجِنِّ لَیْلَۃَ الْجِنِّ فَکَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِّنْکُم کُنْتُ کُلَّمَا اَتَیْتُ عَلٰی قَوْلِہٖ "فَبِاَیِّ اٰ لَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ" بِاَنْ قَالُوْا : "لاَ بِشَیْءٍ مِّنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ" انتھی.

(رواہ الترمذی وقال ھٰذا حدیث غریب)

فتاویٰ اہل حدیث از: مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی

ادارہ احیاالسنۃ النبویۃ (ڈی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا)

(۱۰) شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ:۔ سوال: کیا نمازی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ قرأت میں جنت کے ذکر کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرے یا جہنم کے ذکر کے وقت اللہ تعالیٰ سے آتش دوزخ سے پناہ مانگے؟ کیا اس بارے

میں مقتدی اور منفرد میں کوئی فرق ہے؟

جواب:۔ ہاں یہ جائز ہے، اور اس بارے میں امام، منفرد اور مقتدی میں کوئی فرق نہیں، البتہ مقتدی کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اس قدر مشغول نہ ہو کہ وہ اس خاموشی کو اختیار نہ کر سکے جس کے اختیار کرنے کا قرأت کے موقع پر حکم دیا گیا ہے۔

فتاویٰ ارکان اسلام

عقائد، عبادات اور دیگر احکام ومسائل پر تحقیقی فتاویٰ

تالیف: فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمینؒ

ترجمہ مولانا محمد خالد سیف

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان،

(۱۱) مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹیؒ:۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا قَرَأَ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی" قَالَ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" (ابوداود) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ جب (نماز میں) "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی" (یعنی اپنے بلند مرتبہ رب کی پاکی بیان کرو) پڑھتے، تو (تعمیل حکم کرتے ہوئے) فرماتے: "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" (میں اپنے بلند مرتبہ رب کی پاکی بیان کرتا ہوں)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مَنْ قَرَأَ مِنْکُمْ وَالتِّیْنِ وَ الزَّیْتُوْنِ فَانْتَھٰی "اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ" فَلْیَقُلْ، بَلٰی وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ، وَ مَنْ قَرَأَ لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَۃِ، فَانْتَھٰی اِلٰی اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِ یَ الْمَوْتٰی فَلْیَقُلْ بَلٰی. وَ مَنْ قَرَأَ وَالْمُرْسِلاَتِ فَبَلَغَ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ فَلْیَقُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ" (رواہ ابوداود)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص "وَالتِّیْنِ وَ الزَّیْتُوْنِ" پڑھے۔ پس جب "اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ" پر پہنچے (یعنی کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟) تو چاہئے کہ یہ کہے: "بَلٰی وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ" (کیوں نہیں! اور میں اس پر گواہ ہوں۔

اور جو شخص "لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَۃِ" پڑھے، پس جب اس آیت پر پہنچے "اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی" (یعنی کیا اللہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر دے؟) تو اسے چاہئے کہ یہ کہے: "بَلٰی"

(کیوں نہیں؟ ضرور قادر ہے) اور جو کوئی "وَالْمُرْ سِلاٰتِ" پڑھے۔ پس جب اس آیت پر پہنچے "فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ" (یعنی یہ لوگ اس قرآن کے بعداب کس بات پر ایمان لائیں گے؟) تو چاہئے کہ یہ کہے "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ" (ہم اللہ پر ایمان لائے)۔

حضرت جابرؓ سے ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہؓ کے سامنے پوری سورۃ الرحمٰن پڑھی اور صحابہؓ خاموش رہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورت میں نے جنوں پر پڑھی۔ "فَکَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْداً مِنْکُمْ" تو وہ جواب دینے میں تم سے اچھے تھے۔ ہر بار جب میں اس آیت پر پہنچتا تھا۔ "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰانِ" (سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) تو وہ جواب میں کہتے۔ "لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ" (اے ہمارے رب! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی چیز کو نہیں جھٹلاتے۔ پس سب تعریف تیرے ہی واسطے ہے۔ (ترمذی)

نوٹ: حضور ﷺ نے صحابہؓ کو توجہ دلائی، کہ وہ بھی اس آیت کو سن کر جواب دیا کریں۔ سورۂ غاشیہ کے آخری آیت میں "ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَهُمْ کے بعد کہیں۔ "اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَاباً یَّسِیْرًا" مشکوٰۃ، باب الحساب میں ہے کہ حضور ﷺ اپنی بعض نمازوں میں

"اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَاباً یَّسِیْرًا" کہتے تھے۔ (صلوٰۃ الرسول ﷺ).

حضرت مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ، لجنۃ القارۃ الھندیہ۔ جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی۔

(۱۲) مولانا عبدالسلام مدنی:۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ اِذَا قَرَأَ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی" قَالَ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی". (رواہ احمد و ابوداؤد، مشکوٰۃ ج ۱، ص ۸۱)

قَالَ صَاحِبُ الْمِرْعَاةِ: وَ اَخْرَجَهُ اَیْضاً الْحَاکِمُ وَالطَّبْرَانِیُّ، وَ صَحَّحَهُ الْحَاکِمُ وَوَافَقَهُ الذَّهَبِیُّ، وَ قَالَ الْعَزِیْزِیُّ: هُوَ حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ. (مرعاۃ ج۳، ص ۱۷۴) وَقَالَ الْاَلْبَانِیُّ: صَحِیْحٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی" کی تلاوت کرتے، یعنی "اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر" تو جواب میں آپ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" یعنی میں اپنے رب اعلیٰ کی جملہ نقائص سے پاکیزگی بیان کرتا ہوں" (ترجمہ جوناگڈھیؒ) (احمد ابوداؤد، حدیث صحیح)

تشریح: حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ جب رسول ﷺ آیت مذکورہ کی تلاوت فرماتے چاہے نماز میں یا خارج

صلاۃ، تو جواب میں "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" ارشاد فرماتے، صاحب مرعاۃؒ فرماتے ہیں: فَفِیْهِ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ لِلْقَارِیِٔ فِی الصَّلَاةِ أَوْ غَیْرِهَا اِذَا مَرَّ بِأٰیَةٍ فِیْهَا تَسْبِیْحٌ اَنْ یُسَبِّحَ ..لِاَنَّ قَوْلَهٗ: کَانَ اِذَا قَرَأَ. عَامٌّ یَشْمِلُ الصَّلوٰةَ وَ غَیْرِهَا ۔ یعنی حدیث مذکورہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ قاری نماز یا غیر نماز میں آیت تسبیح پڑھتے ہوئے رب کی تسبیح بیان کرے۔

پھر صاحب مرعاۃؒ نے مسئلہ کی تائید میں علی، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن عمرؓ، عمر بن الخطابؓ اور ابن الزبیر رضی اللہ عنھم کے آثار ذکر کئے ہیں، نیز ابن عمرؓ والی روایت کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ رَوَاهُ الْحَاکِمُ اَیْضاً وَقَالَ: صَحِیْحٌ، وَوَافَقَهُ الذَّهَبِیُّ. (یعنی وہ روایت صحیح ہے) مزید لکھتے ہیں آیت کا جواب دینا قاری اور امام ہی کے لئے مختص نہیں ہے بلکہ آیت میں امر کا تقاضہ ہے کہ جو بھی پڑھے اور سنے سب کے لئے جواب دینا مستحب ہے۔ (مرعاۃ ج۳، ص۱۷۴)

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہؓ کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک رات نماز میں سورہ بقرہ، نساء اور آل عمران تینوں پڑھ کر رکوع کیا، یَقْرَأُ مُتَرَسِّلاً، اِذَا مَرَّ بِأٰیَةِ فِیْهَا تَسْبِیْحٌ اَنْ یُسَبِّحَ ...الحدیث ۔(مسلم ج۱، ص۳۱۴) یعنی آپ کی قرأت ٹھہر ٹھہر کے ہوتی تھی جب آیت تسبیح سے گذرتے تو اللہ کی تسبیح بیان کرتے اور جب سوال یا تعوذ سے گذرتے تو رب سے مانگتے اور تعوذ پڑھتے۔

سورۂ فاتحہ کے بعد بھی آمین کہنے سے آیات قرآنی کا جواب دینا مستنبط ہوتا ہے۔

رب العالمین! ہمیں تدبر سے قرآن پڑھنے اور سننے کی توفیق دے، اور آیات کا جواب دینے والا بنا، آمین۔

تحریر مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ بنارس۔

بحوالہ، محدث بنارس اپریل ۲۰۰۸ء درس حدیث: ۱۱۲۔

(۱۳) شیخ محمد عاصم الحدادؒ:۔ نفلی نمازوں میں قرآن پڑھتے ہوئے جہاں رحمت کی آیت آئے وہاں اللہ تعالیٰ کا فضل طلب کرنا، جہاں عذاب کی آیت آئے وہاں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا اور جہاں اللہ تعالیٰ کی بزرگی و برتری کا ذکر آئے وہاں "سُبْحَانَ اللّٰهِ، یَا تَبَارَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کہنا مسنون ہے۔ (المغنی، ج۱، ص۵۸۷)

حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ شروع کی، میں سمجھا کہ سو آیتوں پر رکوع فرمائیں گے، لیکن آپ ﷺ پڑھتے رہے، میں سمجھا کہ سورت

ختم کرنے کے بعد رکوع فرمائیں گے، لیکن آپ ﷺ نے اس کے بعد سورۂ آل عمران شروع کردی۔ پوری سورت ختم کرنے کے بعد آپ ﷺ نے سورۂ نساء شروع کردی۔ آپ ﷺ اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھتے تھے۔ جہاں کوئی تسبیح کی آیت آتی۔ آپ '' سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتے، جہاں کوئی التجا کرنے کی آیت آتی، آپ ﷺ التجا کرتے، اور جہاں پناہ مانگنے کی آیت آتی، آپ ﷺ پناہ مانگتے'' (مسلم)

یہ تسبیح، التجا اور پناہ کا مانگنا ہر شخص کے لئے مستحب ہے، خواہ وہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو یا جماعت کے ساتھ، مقتدی ہو یا امام۔

جو شخص اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ '' (کیا اللہ حاکموں کا حاکم نہیں ہے؟) پڑھے یا سنے تو اس کے لئے: ''بَلٰی وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ '' (کیوں نہیں! اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں)۔ کہنا مستحب ہے اور جو شخص '' اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِ الْمَوْتٰی ''پڑھے یا سنے، اس کے لئے ''بَلٰی اَشْھَدُ '' (کیوں نہیں، میں اس کی گواہی دیتا ہوں) کہنا مستحب ہے۔ جو شخص '' فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ''پڑھے یا سنے تو اس کے لئے ''اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ''(میں اللہ پر ایمان لایا) کہنا مستحب ہے اور جو شخص ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی '' (اپنے بلند و برتر پروردگار کی تسبیح کرو) پڑھے یا سنے اس کے لئے ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ''(میرا رب بلند و برتر پاک ہے) کہنا مستحب ہے، خواہ وہ نماز میں ہو یا نہ ہو (حاشیہ نمبر۱۔ میں دیکھئے)

شافعیہ اور اہل حدیث علماء کے نزدیک نفل نمازوں کے علاوہ فرض نمازوں کی قرأت کے دوران بھی دعا کا مانگنا مستحب ہے۔

حوالہ: فقہ السنہ مکمل ص۱۱۶، محمد عاصم الحداد،
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔۲۵

(۱۴) **مولانا عبدالسلام بستویؒ:-** اپنی مشہور کتاب دستور المتقی المعروف بہ صلوۃ النبی ص۷۴ میں لکھتے ہیں جب کوئی شخص ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰانِ'' پڑھے تو سننے والے کو پکار کر یوں جواب دینا چاہئے، ''لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ'' (ترمذی، مشکوٰۃ ص۳۰۴) آنحضرت نے فرمایا کہ جو شخص سورہ قیامۃ کی آخر آیت پڑھے نماز کے اندر یا نماز کے باہر اسے ''بَلٰی'' کہنا چاہئے (ترمذی، مشکوٰۃ ص۳۰۳)۔ اور جو سورہ مرسلات کی آخری آیت پڑھے نماز کے اندر یا نماز کے باہر اسے ''اٰمَنَّا بِاللّٰہِ'' کہنا چاہئے (ترمذی، مشکوٰۃ ص۳۰۳)۔ اسی طرح جو شخص ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی '' پڑھے اسے ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ''کہنا چاہئے

(ترمذی، مشکوٰۃ ص۳۰۳)۔ سورہ والتین کی آخری آیت پڑھنے والے کو چاہئے کہ ''بَلٰی وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ '' کہے

(ترمذی، مشکوٰۃ ص۳۰۴)۔ بہتر تو یہ ہے کہ ان آیات کا جواب پکار کر دے کیونکہ سنت سے ایسا ہی ثابت ہوا ہے۔

(ترمذی، مشکوٰۃ ص۱۰۴) لیکن اگر کوئی شخص آہستہ سے بھی جواب دے دیگا تو بھی جائز ہو جائے گا۔ انتہی

اعتراض:- کیا مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کے علاوہ خاموش رہنا چاہئے؟۔

جواب: بعض حضرات مقتدی کے لئے قرآنی آیات کا جواب نہ دینے کی دلیل دیتے ہیں کہ امام کی قرأت کے پیچھے مقتدی کو سورہ فاتحہ کے علاوہ خاموش رہنا چاہئے۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ مقتدی کو سورہ فاتحہ کے علاوہ خاموش رہنا چاہئے۔ لیکن حدیث میں جو ممانعت آئی ہے وہ قرأت کرنے کے لئے آئی ہے نہ کہ دعاؤں کے لئے۔ اور اسے امام کی قرأت کے دوران نہیں پڑھا جاتا ہے بلکہ جب امام قرأت سے رک کر آیتوں کا جواب دیتے ہیں، مقتدی بھی امام کے ساتھ ہی یہ جواب دیتے ہیں، نہ کہ جب امام قرأت کر رہا ہوتا ہو۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ مقتدی امام کی آمین سن کر آمین کہتے ہیں نہ کہ دوران قرأت۔ تو قرآنی آیات کا جواب بھی امام کے جواب دینے پر ہے نہ کہ جب وہ قرأت کرے۔

اعتراض:- کیا مقتدی قرآنی آیات کا جواب جہراً نہ دے؟۔

جواب: بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مقتدی کو یہ جواب جہراً نہیں دینا چاہئے لیکن یہ اعتراض درست نہیں ہے کیونکہ جب امام جہراً آواز میں ان آیتوں کا جواب دیں گے تو مقتدی بھی امام کی اقتدا میں جہراً ہی آیتوں کا جواب دیں گے، اور امام کے پیچھے مقتدیوں کا جہراً دعا پڑھنا ثابت ہے (بحوالہ سنن ابو داؤد، جلد ۱ ص ۶۴۹ حدیث نمبر ۸۸۲)۔ حافظ زبیر علی زئیؒ نے اسکی سند کو صحیح کہا ہے۔

دوسری حدیث رفاعہ بن رافع سے روایت ہے کہ ''الحمدللہ حمداً الخ ترمذی کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر۴۰۴، نسائی حدیث نمبر۹۳۲)۔

شیخ تنویر الحق نے صحیح نماز نبوی کے اندر اسکی سند کو صحیح کہا ہے۔ تو اس سے پتہ چلا کہ مقتدی جہراً دعا کر سکتے ہیں اور یہ دعا امام کی اقتدا میں ہے کہ جب امام ان دعاؤں کو پڑھے گا مقتدی بھی اسی انداز میں ان دعاؤں کو پڑھیں گے جس طرح آمین کا مسئلہ ہے۔

اعتراض:۔ اگر نفل اور فرض نماز کے طریقے میں کوئی فرق نہیں ہے تو پھر نفل نماز سے پہلے بھی اذان و اقامت دینا چاہیئے؟۔

جواب: نفل نمازوں میں اذان و اقامت کی ضرورت نہیں لیکن فرض نمازوں میں ضروری ہے، اسکی وجہ یہ کہ فرض نماز میں لوگوں کو جماعت کے لئے بلانا پڑتا ہے تا کہ باجماعت نماز ادا کی جا سکے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے جب تم جنگل میں بھی ہو تو اذان و اقامت دے کر کے نماز پڑھو تا کہ آس پاس میں اگر کوئی ہو تو تمہارے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے لیکن نفل نمازوں میں چونکہ جماعت کی ضرورت نہیں ہوتی یہ فرداً فرداً پڑھی جاتی ہے اس لئے اس میں اذان و اقامت کی ضرورت نہیں، جہاں نص موجود ہو وہاں عقل کو دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے،

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں جب تک تخصیص کی دلیل قائم نہ کی جائے عموم کا ہی اعتبار ہوتا ہے۔

(حوالہ فتح الباری ج ۱۲، ص ۲۶۱ تحت حدیث نمبر ۲۹۱۵، بحوالہ زبیر علی زئیؒ نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام)

تمت بالخیر

شیخ بدیع الدین شاہ الراشدیؒ: مقالات راشدیہ (دوم) ص ۳۵۱،

''القول الطیف فی الاحتجاج بالحدیث الضعیف،،

''کیا ضعیف حدیث فضائل اعمال میں قابل حجت ہے؟

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے جس کے بارے میں محدثین کرام کی تین آراء ہیں:

(۱) ضعیف حدیث پر مطلق طور پر عمل کیا جائے گا۔

(۲) ضعیف حدیث پر عمل ہی نہیں کیا جا سکتا۔ چاہے وہ فضائل اعمال میں ہوں۔

(۳) ضعیف حدیث فضائل اعمال میں قابل حجت ہے لیکن چند شروط کے ساتھ۔

شاہ صاحبؒ بھی تیسری رائے کے قائل ہیں اور اپنے اس موقف کو ثابت کرنے کے لئے سترہ محدثین کے اقوال پیش کیے ہیں۔(الازہری)

الحمد لله الذی میّز الطیب من الخبیث والصلوة والسلام علی رسوله کغیث المغیث و علی آله و اصحابه الذین نقلو ا الینا منه الحدیث :**امّا بعد!**

میرے دل میں خیال آیا کہ میں ایک سوال کا بہترین جواب لکھوں کہ ضعیف حدیث فضائلِ اعمال اور ثواب میں قابل حجت ماننا صحیح ہے۔

تو میں اللہ کی مدد سے اس سوال کا جواب شروع کرتا ہوں اور اس مقالہ کا نام ''اَلقولُ الطیف فی الاحتجاج بالحدیث الضعیف،، رکھتا ہوں۔ اور اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کام کو مکمل کروائے اور اس کے ہاتھ میں اختتام ہے۔

فاقول و بالله التوفیق وهو حسبی و نعم ا لرفیق .

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث سے دلیل لینا بالکل صحیح ہے جب تک اس سند میں کوئی ایسا راوی نہ ہو جو شدید ضعیف یا مجروح ہو۔ جیسے کذب اور فحش الغلط وغیرہ۔ مثلاً:

یوسف بن خالد السمتی (۱) اور حسن بن زیاد اللؤلؤی (۲) ان دونوں راویوں کو امام نسائی نے جھوٹا قرار دیا ہے۔ یا متہم یہ جیسے حسن بن عمارہ (۳) اور خالد بن الیاس (۴) ان دونوں راویوں کو امام ابن حجرؒ نے اپنی کتاب تقریب التھذیب میں متہم قرار دیا ہے۔

یا فاحش الغلط: جیسے ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (۵) امام نسائیؒ نے ان کو فحش الغلط کہا ہے۔

اس شرط کے ساتھ ایک اور شرط کا ہونا لازمی ہے اور وہ ہے۔ (**ان یکون مندرجا تحت اصل العام من حجة الشرع**) وہ عمل کسی اصل عام کے تحت مندرج ہو شرعی دلیل سے۔

تمام محققین کا اسی پر اتفاق ہے۔

(شاہ صاحبؒ اب یہاں سترہ محدثین کی شواہد ذکر کر رہے ہیں کہ ان تمام کے پاس ضعیف حدیث فضائل اعمال میں قابل حجت ہے)۔(الازہری)

----

(۱) یوسف بن خالد عمر السمتی ابو خالد البصری ، تهذیب التهذیب : ۱۱/ ۲۶۱۔ تاریخ الکبیر۔: ۸/ ۳۸۸.

(۲) حسن بن زیاد اللولوی الکوفی " وقال الدار قطنی ضعیف متروك،، میزان الاعتدال : ۱/ ۹۱.

(۳) الحسن بن عمارۃبن المغرب البجلی مولھم الکوفی ابو محمد ،قال الامام النسائ " لیس بثقۃ ،، تھذیب التھذیب ۲/ ۲۶۳

(٤) خالد بن الیاس و قیل ایاس بن صخر بن ابی الجھم عبید بن حذیفہ ابو الھیثم العدوی المدنی قال امام النسائ "متروک الحدیث ،، تھذیب التھذیب ۳/ ۷۰۔ تاریخ الکبیر ۳/ ۱٤۰ .

(٥) النعمان بن ثابت الکوفی ابو حنیفہ الامام یقال اصل من الفارس " قال الامام البخاری کان مرجیا سکتو ا عنہ و عن حدیثہ ،، تقریب التھذیب ص ٥٢٤ ـالتاریخ الکبیر ۸/ ۸۱.

پہلی گواہی:

میرے والدمحترم صاحب السند الحافظ المحدث ابومحبّ اللہ احسان اللہ بن شیخ حافظ سید رشداللہ شاہ صاحب العلم الخامسؒ (ا) اپنی مشہور کتاب ـ" **المقالۃ المحبوبۃ فی الدعاء بعد الصلوۃ المکتوبۃ ،،** میں فرماتے ہیں۔((**ان علماء ھذہ الامۃ المکرمۃ وفقھا ئھا قد اجتمعو ا علی ان الا حادیث الضعیفۃ فی فضائل الاعمال والثواب معمولۃ**))انتھی

اس امت کے علماء وفقہاء کا اس بات پر اتفاق اور اجماع ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کیا جائے گا۔

(ا) شاہ صاحب کے والد احسان اللہ شاہ راشدیؒ اپنی وقت کے امام تھے۔اسماء الرجال میں ملکہ تامہ رکھتے تھے۔مولا نا ثناءاللہ امرتسریؒ فرماتے تھے۔" **ان کان فی ھذاا لوقت رجل عندہ علم اسماء الرجال وانا اقول ھو احسان اللہ شاہ راشدی ،،** سید احسان اللہ شاہ راشدیؒ کی وفات ۱۳۵۸ھ کوان کے گاؤں پیر آف جھنڈہ میں ہوئی توان کی وفات پر مولانا سلیمان ندویؒ نے کہا:" **مات الیوم رجل کان ماھرا بالحدیث و اسماء الرجال ،،** مزید دیکھو! مجلّہ بحر العلوم شیخ العرب والعجم نمبر،،

دوسری گواہی:

الشیخ الحافظ حدیث اور رجال کے ماہر علامہ عبدالرحمٰن بن مہدی بن حسان العنبریؒ (۲) فرماتے ہیں:((**اذارویناعن النبی ﷺ فی ا لحلال و الحرام والاحکام شددنا فی الاسانید و انتقدنا الرجال واذارویناء فی فضائل الاعمال وا لثواب والعقاب والمباحات والدعوات تساھلنا انتھی**))

جب ہم حلال وحرام اوراحکامات کے بارے میں نبی ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہیں تو اس کی اسانید میں شدت اختیار کرتے ہیں اور جب فضائل اعمال ثواب وعتاب ،مباح اموراور دعاؤں کی احادیث بیان کرتے ہیں تو تساہل برتتے ہیں۔

تیسری گواہی:

"**امام الفقیہ المجتھد الحجۃ،،** ابوعبداللہ احمد بن حنبل الشیبانی المروزیؒ فرماتے ہیں:(۳)

((**اذا روینا النبی ﷺ فی الحلال والحرام والسنن والاحکام شددنا باالاسانید واذا روینا عن النبی ﷺ فی فضائل الاعمال وما لا یضع حکما ولا یرفعہ تساھلنا فی الاسانید**))

جب ہم حلال وحرام اوراحکامات کے بارے میں نبی ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہیں تو ان کی اسانید پر سختی کرتے ہیں اور جب آپ سے فضائل اعمال کے بارے میں روایات بیان کرتے ہیں اور وہ احادیث جو احکامات سے متعلق نہیں ہوتیں تو ان کی اسناد میں نرمی برتتے ہیں،

---

(۲) **شیخ عبد الرحمن بن مھدی العنبری البصری قال الامام الشافعیؒ "لا اعرف لہ نظیرا فی الدنیا ،، مزید دیکھو : تھذیب التھذیب ۶/ ۲۷۹ .تاریخ بغداد ، ۱۰/ ۲٤۰ .**

(۳) امام احمد بن حنبل،حنبلی مذہب کے پیشوا امام عبداللہ لکھتے ہیں: "مارأیت افقہ منہ ولا اورع ،تھذیب التھذیب ،۱/۷۲۔تاریخ بغداد ۴/ ۴۱۲.

چوتھی گواہی:

شیخ الحافظ ابوعبداللہ النوفلیؒ فرماتے ہیں:

((**الاحادیث الرقاق یحتمل ان یتساھل فیھا حتی یجئ الشی فیہ حکم انتھی**))

"دل کونرم کرنے والی حدیثوں میں تساہل برتا جائے گا یہاں تک کہ اس میں کوئی حکم آئے،،

پانچویں گواہی:

امام حافظ ثقہ ابوعبداللہ سفیان بن سعد بن مسروق الثوری الکوفیؒ فرماتے ہیں:(ا)

((**لا تاخذو ا ھذا العلم فی الحلال والحرام الا من الرؤساء المشھورین بالعلم الذین یعرفون**

ألزيا دة والنقصان فلا باس بما سوى ذلک من المشائخ انتهى))

" حلال وحرام کے بارے میں صرف ان مشہور محدثین عظام سے لو جو حدیث کی زیادتی اور نقصان کو جانتے ہوں اس کے علاوہ (فضائل اعمال میں) ایسے محدثین سے لینے میں کوئی حرج نہیں جو اس پائے کی نہ ہوں۔،،

---

(۱)الامام امیرالمومنین فی الحدیث دنیا کی معروف ترین شخصیت،مزید دیکھو:تھذیب الکمال ۵۱۲/۱.

چھٹی گواہی:

امام حافظ فقیہ ابومحمد سفیان بن عیینہ الہلالی الکوفیؒ فرماتے ہیں:(۲)

((لاتسمعو ا من بقية ما كان فی سنة واسمعو ا منه ماكان فی ثواب و غيره))انتهى

" بقیہ (جوراوی) سے فرائض میں کوئی بھی حدیث نہ لو،ثواب وغیرہ ہوتو لے لو۔،،

ساتویں گواہی:

علامہ حافظ یحیی بن محمد بن عبداللہ العنبری ؒ فرماتے ہیں:(۱)

((الخبر اذا ورد لم يحرم حلالا ولم يحل حراما ولم يوجب حكما و كان فی ترغيب او ترهيب او تشديد او ترخيص وجب الاغما ض عنه والتساهل فی رواية)) انتهى

،،کوئی ایسی حدیث ہے جو نہ تو حرام کو حلال اور حلال کو حرام اور نہ اس سے کوئی حکم صادر ہو رہا ہے اور وہ ہے بھی ترغیب و ترہیب یا عزیمت یا رخصت میں تو ایسی حدیث میں تساہل برتنا اور چشم پوشی کرنا واجب ہے

---

(۲)امام الوقت عظیم محدث امام الشافعیؒ ان کے بارے فرماتے ہیں ـــ : لو لا مالك و سفيان لذهب علم الحجاز۔تہذیب التهذیب ۱۱۷/٤ .

(۱) امام ابن السمعانی فرماتے ہیں: **كان اديبا فاضلا عارفا با لتفسير واللغة ،، تذكرة الحفاظ ۸٦٥/۳.**

آٹھویں گواہی:

میرے دادا امام حافظ محدث سید ابوتراب رشداللہ صاحب العلم الرابعؒ فرماتے ہیں: (۲)

((اقول و بالله التوفيق ان الا ستدلال به فی الفضائل مالم يكن فی سنده الراوی شديد الضعف كا لكذب والمتهم بفاحش الغلط و مع هذا يكون مندرجا تحت اصل عام من حجة الشرع نص عليه الحافظ ابن حجر وغيره و يو يده ما اخرجه الامام احمد فی مسند عن ابی هريرةؓ مر فوعا ـ" لا اعرفن احدا منكم اتاه عنی حديث وهو متكئ علی اريكته يقول اتلوبه علی قرآنا ما جاء كم عنی من خير قلته أو لم اقل فانا اقوله وما اتاكم من شر فانی لا اقول الشر وما اخرجه ابن ماجة عنه ايضا يرفعه لا اعرفن ما يحدث احدكم عنی الحديث وهو متكی علی اريكة فيقول اقراء قرآنا ما قيل من قول فانا قلته))

((میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ فضائل اعمال میں (ضعیف حدیث) سے استدال لینا بالکل صحیح ہے جبکہ اس کی سند میں ایسا راوی نہ ہو جو شدید ضعیف ہو جیسے جھوٹا،متہم بہ یا فاحش الغلط اور اس کے ساتھ وہ عمل کسی اصل عام کے تحت مندرج ہو شرعی دلیل سے،اسی بات کی تائید حافظ ابن حجرؒ نے کی۔اور مندرجہ بالا حدیث بھی جس طرح مسند احمد میں سیدنا ابو ہریرہؓ سے ایک مرفوع حدیث رسول ﷺ نے فرمایا: خبردار نہ جانوں میں تم میں سے کسی کو کہ اس کو میری حدیث پہنچی اور وہ تکیہ لگائے ہوئے اپنے پلنگ پر کہتا ہے کہ قرآن پڑھو(یعنی حدیث قابل اعتبار نہیں فقط قرآن کافی ہے) جو تمہارے پاس میری اچھی بات آئی ہے تو میں نے ہی کہی ہے۔اگر میری طرف کوئی غلط بات منسوب ہو تو میں غلط بات نہیں کہتا۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے: خبردار نہ جانوں میں تم سے کسی کو کہ اس کو میری حدیث پہنچی اور وہ تکیہ لگائے ہوئے اپنے پلنگ پر کہتا ہے کہ قرآن پڑھو،یعنی حدیث قابل اعتبار نہیں اور مان لو جو اچھی بات ہے وہ میری کہی ہوئی ہے۔،،

---

(۲) شیخ بدیع الدین شاہ الراشدیؒ کے دادا امجد جن کی پیدائش ۱۲۷۷ھ کو سندھ مین ہوئی ، شیخ عبیداللہ سندھیؒ شاہ رشداللہ صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں: **كان الشيخ ابو التراب رشدالله عالم الكبير فی الحديث وكان صاحب التصانيف** ،،مزید دیکھو! مجلّہ بحرالعلوم شیخ العرب والعجم نمبر.

نویں گواہی:

شیخ الاسلام زکریا بن محمد بن احمد الانصاری المصر ی الشافعیؒ (۱) اپنی کتاب ''تحفۃ الباری شرح صحیح البخاری،، میں لکھتے

ہیں:

((یجوز روایة ماسوی الموضوع من الضعیف والعمل به من غیر بیان ضعفه فی غیر صفاته تعالیٰ وفی غیر الاحکام کالحلال والحرام وغیرهما وذلک کالقصص والمواعظ و فضائل الاعمال وغیرهما فیما لا تعلق له بالعقائد والاحکام و کذا ذکره ابن الصلاح))انتهی

’’موضوع حدیث کے علاوہ ضعیف حدیث پرعمل کیا جاسکتا ہے، قصص مواعظ فضائل اعمال اور دیگر ثواب کے امور جبکہ عقائد احکام اور صفات باری تعالیٰ میں عمل نہیں کیا جائے گا۔،،

دسویں گواہی:

امام حافظ جلال الدین السیوطیؒ اپنی کتاب الفیۃ الحدیث میں لکھتے ہیں:(۲)

---

(۱) شیخ زکریا بن محمد بن احمد بن زکریا الانصاری المصری الشافعی اپنے وقت کے حافظ الحدیث اور عظیم مفسر، ان کی پیدائش ۸۲۳ھ اور وفات ۹۲۶ھ میں ہوئی۔ الاعلام للزرکلی ۴۶/۳۔

(۲) ان کا نام عبدالرحمٰن بن الکمال ابوبکر بن معمر الخضر می المعروف جلال الدین السیوطیؒ ہے، ان کی پیدائش ۸۴۹ھ کو مصر کے معروف شہر قاہرہ میں ہوئی تھی امام صاحب سات علوم میں ماہر تھے بلکہ ان علوم میں امام تھے انہوں نے ہر فن میں کتاب لکھی جن کی تعداد بقول بروکلان ۴۱۵ ہیں جبکہ دیگر مورخین نے ان کی کتب کی مجموعی تعداد چھ سو سے زیادہ بتائی ہے۔ امام صاحب کی وفات ۹۱۱ھ قاہرہ میں ہوئی تھی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: حسن المحاضرۃ ۳۳۵/۱۔

((بغیر ما اسناده عرض و ترک بیان ضعف قدر ضوا فی المواعظ وفضائل الاعمال لا لعقدو الحرام والحلال ،،

’’جو بھی (حدیث) بغیر سند کے ہوگی کچھ کو رکھا جائے اور کچھ کو چھوڑا جائے گا جو حدیث فضائل اعمال اور مواعظ میں ہوگی اس ضعف کو لیں گے اور جو عقیدہ، حلال اور حرام میں ہوگی اس کو ترک کردیں گے۔،،

گیارہویں گواہی:

امام حافظ حجة شیخ الاسلام شهاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ (۱)

فرماتے هیں :

((بان هذاالقسم یعنی (الضعیف) لا یحتج به کله بل یعمل به فی فضائل الاعمال و یتوقف عن العمل به فی الاحکام الا اذا کثرت طرقه او عضده اتصال عمل او موافقة شاهد صحیح او ظاهر القرآن و هذا حسن رایق قوی ما اظن منصفا یأباه))والله الموفق انتهی کلام الحافظ .

’’ضعیف قسم کی تمام روایات قابل حجت نہیں بلکہ فضائل اعمال ان پر عمل کیا جائے گا اور احکامات کے بارے میں ان سے توقف کیا جائے گا مگر اس صورت میں جبکہ ان ضعیف روایات کو بکثرت طرق سے بیان کیا جائے یا مسلسل ومتواتر اس پر عمل ثابت ہو یا ان کی موافقت میں صحیح روایات موجود ہوں یا قرآن پاک کا ظاہر اس قسم کی روایات کی تائید کرتا ہو اور یہ بہترین اور طاقتور اصول ہے میں نہیں سمجھتا کہ کوئی انصاف پسند آدمی اس کا انکار کرسکتا ہے۔،،

بارہویں گواہی:

امام نوویؒ فرماتے ہیں: (۲)

---

(۱) اپنے دور کے عظیم امام حافظ ابن حجر العسقلانیؒ حسن المحاضرۃ ۳۶۳/۱۔

(۲) یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن النوویؒ ان کی ولادت ۶۳۱ھ ان کی مشہور کتاب شرح صحیح مسلم اور ریاض الصالحین ہیں مزید تفصیل دیکھو: تذکرۃ الحفاظ ۱۴۷۰/۴۔

((اجماع اهل الحدیث و غیرهم علی العمل به فی الفضائل و نحوها خاصة انتهی))

’’تمام محدثین اور دیگر ائمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جاسکتا ہے۔،،

تیرہویں گواہی:

امام حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین اثری العراقیؒ فرماتے ہیں(۱)

(فضائل اعمال میں) ضعیف حدیث پرعمل کرنا درست بات ہے اور امت کو یہی چیز ملی ہے۔،،

چودہویں گواہی:

امام حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادیؒ اپنی کتاب ’’الکفایة فی علم الروایة ،، میں عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں:

((باب التشدد فی احادیث الاحکام والتجوز فی فضائل الاعمال قد ورد عن غیر واحد من السلف انه لا یجوز حمل الاحادیث المتعلقة بالتحلیل والتحریم الا عمن کان برئیا من التهمة و بعیدا من المظنة واما احادیث الترغیب والمواعظة و نحو ذلک یجوز کتبها من سائر المشائخ)) انتهی

"باب احکام والی احادیث میں سختی اور فضائل اعمال میں نرمی برتنے کا بے شمار سلف صالحین سے مروی ہے کہ احادیث حلال وحرام پر اس وقت عمل کریں گی جو تمام تہمتوں اور گمانوں سے دور ہو جبکہ ترغیب اور نصیحت والی احادیث تمام مشائخ سے لی جاسکتی ہے۔"

---

(۱) فتح المغیث ۱۲۱ مطبوع لکھنوء.

پندرہویں گواہی:

شیخ محمد عبدالحق الدھلویؒ مشکوٰۃ المصابیح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

((وما اشتهر ان الحدیث الضعیف معتبر فی فضائل الاعمال فی غیرها المراد مفرداته لا مجموعها لانه داخل فی الحسن لا فی الضعیف جزم به الائمة وقال بعضهم ان کان الضعیف من جهة سوء حفظ او اختلاط او تدلیس مع وجود الصدق والدیانة ینجبر بتعدد الطرق وان کان من جهة اتهام الکذب او الشذوذ او فحش الخطا لا ینجبر بتعدد الطرق والحدیث محکوم علیه بالضعیف و معمول به فی فضائل الاعمال انتهی))

"اور یہ جو مشہور ہے کہ حدیث ضعیف فضائل اعمال میں معتبر ہے اس کے ماسوا نہیں تو اس سے مراد مفرد احادیث ہیں نہ کہ وہ احادیث جو متعدد طرق سے مروی ہوں اس لئے ایسی احادیث تو ضعیف میں نہیں بلکہ حسن کے درجہ میں داخل ہیں، اس کی صراحت ائمہ حدیث نے کر دی ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر ضعیف سوء حفظ یا اختلاط یا تدلیس کی وجہ سے ہو اور ساتھ اس کا راوی سچائی اور دیانتداری سے متصف ہو تو اس کی تلافی تعدد طرق سے ہو جائے گی اور اگر اس کا ضعف اتہام کذب یا شذوذ یا خطائے فاحش کی بنا پر ہو تو تعدد طرق سے اس کی تلافی ممکن نہیں، ایسی حدیث ضعیف ہی قرار پائے گی جو صرف فضائل اعمال میں ہی کارآمد ہوگی۔"

سولہویں گواہی:

شیخ عبداللہ بن حسین خاطر العدویؒ اپنی کتاب "لقط الدرر" میں لکھتے ہیں:

((قال الذهبی ان کان فی الحلال والحرام یکفر اجماعا وان کان فی الترغیب والترهیب لا یکفر عندالجمهور))

"امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی (حدیث) حلال اور حرام میں ہوگی تو مجموعی طور پر سختی کی جائے اور اگر ترغیب ترہیب میں ہوگی تو جمہور کے نزدیک اس میں سختی نہیں کی جائے گی۔"

سترہویں گواہی:

شیخ عبدالعزیز بن احمد بن حامد اپنی کتاب "کوثر النبی" میں لکھتے ہیں:

((قال النووی ،وابن جماعة والطیبی والبلقینی والعراقی والعسقلانی یجوز روایة الضعیف فی غیر الاحکام والعقائد من غیر بیان ضعفه کالقصص والمواعظ والترغیب والترهیب والفضائل))انتهی

"امام النووی، اور ابن جماعۃ، طیبی بلقینی، عراقی اور قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ احکام اور عقائد کے علاوہ قصص، مواعظ، ترغیب اور ترہیب، اور فضائل اعمال میں بیان کرنا صحیح ہے۔"

یہ تمام گواہیاں بڑے نقاد محدثین کرام کی ہیں جنہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں مقبول اور معمول بہ ہیں۔ مثلاً: نبی ﷺ کی حدیث ہے:

((قال رسول الله ﷺ من قراء حم الدخان فی لیلة الجمعة غفرله))اخرجه الترمذی فی السنن کتاب فضائل القرآن باب: ما جاء فی فضل حم الدخان ، رقم الحدیث : ۲۸۸۹ .

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ حم الدخان شب جمعہ کو پڑھی بخشے جائیں گے اس کے لئے اس کے گناہ۔"

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے ھشام ابوالمقدام وہ ضعیف ہے لیکن ضعیف شدید نہیں ہے، اس لئے قابل قبول ہے

اسی طرح ثواب میں ایک حدیث:

((قال رسول الله ﷺ التسبیح نصف المیزان والحمد لله یملاء ولا اِله الا الله لیس له حجاب دون الله تعالیٰ حتیٰ تخلص الله)) اخرجه الترمذی فی السنن کتاب الدعوات باب التسبیح نصف المیزان، رقم

الحدیث: ۳۱۵۱۸۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ آدھا میزان بھر دیتا ہے، (یعنی ثواب سے) اور الحمدللہ ساری میزان بھر دیتا ہے اور لا الہ الا اللہ کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں یہاں تک کہ وہ اللہ تک پہنچ جاتا ہے، یعنی مقبول ہو جاتا ہے،،۔

صاحب مشکوۃ لکھتے ہیں اس حدیث کی سند قوی نہیں۔ اب حق ظاہر ہو گیا اور باطل مٹ ہو گیا۔

اگر کوئی اعتراض کرتا ہے کہ فضائل اعمال کا تعلق بھی شریعت سے ہے، ہر ضعیف حدیث سے اس کو ثابت کرنا دین میں اختراع کے مترادف ہے اور دین میں وہ کام ایجاد کرنا ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔ قلت (جواب) میں (شاہ صاحبؒ) یہ کہوں گا یہ اعتراض مردود ہے، اس لئے مندرجہ بالا (شروط کے تحت) ضعیف حدیث پر عمل کرنا درست ہے یہ جمہور کا مسلک ہے اور دین کے اندر اختراع نہیں ہے بلکہ فضیلت کو تلاش کرنا مقصود ہے۔ ضعیف نشانیوں سے بغیر کسی فساد کے یہی بات ابن حجر المکیؒ نے اپنی کتاب ''شرح الاربعین،، میں لکھی ہے۔

بہتر اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور وہی فیصلہ کرنے والا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

''ضعیف احادیث،، امام ابوداؤد (المتوفی ۲۷۵) کی نظر میں،،۔

ابوداؤد وغیرہ صحاح کی احادیث کو کسی محدث ماہر فن نے ضعیف بھی کہدیا ہو تو اس سے مراد ضعیفِ یسیر و سقمِ قلیل ہے جو عمل کے لئے مانع وخارج نہیں۔ تحفۃ المرضیہ ص (۱۵۵) میں ائمہ جرح و تعدیل کی اصطلاح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اِنَّهُمْ يُطْلِقُوْنَ الضَّعِيْفَ عَلَى الْعَدْلِ فِي دِيْنِهِ الْمُتَوَسِّطِ فِي مَرَاتِبِ الْحِفْظِ وَالْاِتْقَانِ،، یعنی محدثین ضعیف کا اطلاق اس راوی پر بھی کرتے ہیں جو اپنے دین میں عادل اور مراتب حفظ واتقان میں متوسط درمیانے درجے کا ہو، یعنی اعلیٰ درجہ متقن و حافظہ نہ ہو اور نہ بالکل ہی درجۂ عدالت سے ساقط و متروک ہو۔ امام ابوداؤدؒ (المتوفی ۲۷۵) خود اپنے رسالہ اہل مکہ میں رقمطراز ہیں:

''وَلَيْسَ فِي كِتَابِ السُّنَنِ الَّذِيْ صَنَّفْتُهُ عَنْ رَّجُلٍ مَّتْرُوْكِ الْحَدِيْثِ شَيْءٌ،، یعنی میری اس کتاب سنن میں ایک بھی ایسے راوی نہیں جو متروک الحدیث ہو۔ نیز ایک مقام پر فرماتے ہیں ''مَا ذَكَرْتُ فِي كِتَابِي حَدِيْثًا اِجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَى تَرْكِهِ،، یعنی میں نے اپنی کتاب ابوداؤد میں کوئی حدیث ایسی ذکر نہیں کی جس کے ترک

پر محدثین کا اتفاق ہو۔ حافظ ابو محمد عبداللہ محمد بن اسحاق بن مندہؒ نے فرمایا ہے کہ ''اِنَّ شَرْطَ اَبِيْ دَاؤدَ وَالنَّسَائِيْ اَحَادِيْثُ اَقْوَامٍ لَّمْ يُجْتَمِعْ عَلَى تَرْكِهِمْ ،، یعنی امام ابوداؤد، وامام نسائی کی شرط میں ایسے لوگوں کی حدیثیں داخل ہیں جن کے ترک پر اجماع نہیں ہوا۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں ''كِتَابُ اَبِيْ دَاؤدَ جَامِعٌ لِنَوْعَيِ الصَّحِيْحِ وَالْحَسَنِ اَمَّا السَّقِيْمُ فَعَلَى طَبَقَاتٍ شَرُّهَا الْمَوْضُوْعُ ثُمَّ الْمَقْلُوْبُ ثُمَّ الْمَجْهُوْلُ وَكِتَابُ اَبِيْ دَاؤدَ خَلِيٌّ مِنْهَا مِنْ جُمْلَةٍ وُجُوْهِهَا،، یعنی امام ابوداؤد کی یہ کتاب احادیث صحاح وحسان کی جامع ہے لیکن سقیم جس کا بدترین درجہ موضوع ہے پھر مقلوب پھر مجہول۔ یہ کتاب بحمداللہ ان تینوں قسموں ضعیف سے بری اور خالی ہے۔ علامہ ابن الاعرابیؒ راقم ہیں، ''لَوْ اَنَّ رَجُلًا لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا الْمُصْحَفُ ثُمَّ كِتَابُ اَبِيْ دَاؤدَ لَمْ يَحْتَجْ مَعَهُمَا اِلَى شَيْءٍ مِنَ الْعِلْمِ قَالَ الْخَطَّابِيُّ وَ هَذَا كَمَا قَالَ لَا شَكَّ فِيْهِ فَقَدْ جَمَعَ فِيْ كِتَابِهِ هَذَا مِنَ الْحَدِيْثِ فِيْ اُصُوْلِ الْعِلْمِ وَاُمَّهَاتِ السُّنَنِ وَاَحْكَامِ الْفِقْهِ الخ ،، یعنی اگر کسی شخص کے پاس صرف قرآن مجید اور ابوداؤد ہو تو اس کو کسی تیسرے کتاب کی ضرورت نہیں۔ عمل وعقیدہ کی صحت کے لئے یہی دو کتابیں کافی وافی ہیں۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات بالکل ٹھیک ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ امام ابوداؤد نے اپنی اس کتاب میں علم کے اصول، سنن کی امہات، فقہ کے احکام سب بیان کر دیئے ہیں۔

امام نوویؒ نے اذکار میں فرمایا ہے کہ ابوداؤد کا خود اپنا بیان ہے کہ میں نے اپنی کتاب ابوداؤد میں صحیح صحیح روایتیں ذکر کی ہیں اور جو صحیح کے مشابہ ومقارب ہوں۔ اور جس میں ضعف شدید ہوگا میں خود بیان کر دونگا۔ اور جس میں کچھ ذکر نہ کروں وہ بالکل ٹھیک ہے اور بعض ان کی اصح بعض سے ہے،

تقریباً تمام علماء امام ابوداؤد کے سکوت والی حدیث کو قابل حجت سمجھتے ہیں۔ بڑے بڑے حفاظ علامہ ابن صلاحؒ وزین الدینؒ عراقی وسراج الدین ابن النحوی وغیرہ کا یہی فتویٰ ہے کہ امام ابوداؤد کی سکوتی احادیث قابل احتجاج واستناد ہے (ماخوذ تفسیر ستاری، سورہ فاتحہ ص ۱۷۰)

الغرض ابوداؤد وغیرہ صحاح ستہ کی احادیث قابل عمل ہیں، جو حدیث سنداً ضعیف ہے وہ ضعف یسیر وقلیل پر محمول ہے۔ تحفۃ المرضیہ ص (۲۷۷) میں ہے ''وَلَا يَتَاتّٰى ذٰلِكَ هُنَا لِاقْتِضَاءِ اَبِيْ دَاؤدَ السُّكُوْتُ عِنْدًا لِضُعْفِ الْيَسِيْرِ،،

یعنی امام ابوداؤد کا سکوت ضعف یسیر وقلیل پر محمول ہوتا ہے۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے، اِنّ قَوْلَ اَبِیْ دَاوٗدَ وَمَا فِیْہِ وَھْنٌ شَدِیْدٌ بَیَّنْتُہ یُفْھَم مِنْہُ اَنّ الَّذِیْ یَکُوْن فِیْہِ وَھْنٌ غَیْرُ شَدِیْدٍ لاَ یبَیّنُہ وَ مِنْ ھُنَا تَبَیَّنَ لَکَ اَنّ جَمِیْعَ مَا سَکَتَ عَنْہُ اَبِیْ دَاوٗدَ لاَ یَکُوْن مِنْ قَبِیْلِ الْحَسَنِ الاِصْطِلَاحِ بَلْ ھوَ عَلیَ اَقْسَامٍ مِّنْھَا مَا ھو صَحِیْحٌ اَوْ عَلیَ شَرْطِ الصِّحَّۃِ وَمِنْھَا مَا ھُوَ مِن قَبِیْلِ الْحَسَنِ لِذَاتِہٖ اِذَا اعْتَضَدَ وَھَذَانِ الْقِسْمَانِ کَثِیْرٌ فِی کِتَابِہٖ جِدًّا وَ فِیْہِ مَا ھوَ ضَعِیْفٌ لٰکِنَّہ مِنْ رِوَایَۃِ مَنْ لَمْ یُجْمَعْ عَلَی تَرْکِہٖ غَالِبًا ....وَ کُلٌّ مِنْ ھَذِہِ الْاَقْسَامِ عِنْدَہ تَصْلُحُ لِلاِحْتِجَاجِ بِھَا کَمَا نَقَلَ ابْن مَنْدَۃَ عَنْہ الخ:

یعنی امام ابوداؤدؒ کا یہ فرمانا کہ جس حدیث میں وہن شدید ہوگا میں خود اسے بیان کردونگا صاف بتارہا ہے کہ جس میں وہن غیر شدید ہوگا اسے نہیں بیان کریں گے، اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ابوداؤدؒ کی وہ تمام احادیث جن پر امام ابوداؤدؒ نے سکوت اختیار کیا ہے وہ نہ صرف حسن اصطلاحی کے درجہ میں ہیں بلکہ بعض ان میں سے صحیح ہیں بعض صحیح لذاتہ، بعض حسن لغیرہ۔ اور یہ دونوں قسمیں آپ کی کتاب میں بہت ہیں، اور کوئی حدیث ضعیف بھی ہے لیکن ایسے راوی سے ہرگز نہیں جس کے ترک پر سب کا اتفاق و اجماع ہو، اور یہ تمام اقسام قابل عمل ولائق احتجاج ہیں، جیسا کہ علامہ ابن مندہ نے امام ابوداؤدؒ سے نقل کیا ہے۔ نیز علامہ حافظ ابن قیمؒ اعلام الموقعین میں امام احمدؒ وغیرہ کا اصول بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں، وَلَیْسَ الْمُرَادُ بِاالضَّعِیْفِ عِنْدَہ البَاطِلُ وَلاَ الْمنکَرُ وَ لاَ فِی رِوَایَۃِ مِنْھُمْ بِحَیْثُ لاَ یَسُوْغُ الذِّھَابُ اِلَیْہِ وَالْعَمَل بِہٖ بَلِ الْحَدِیْثُ الضَّعِیْفُ عِنْدَ ھُمْ قِسْمٌ مِنْ اَقْسَامِ الْحَسَنِ .

یعنی ضعیف حدیث سے مراد باطل یا منکر حدیث نہیں ہے کہ جسکی طرف جانا اور عمل کرنا جائز ہی نہ ہو، بلکہ ضعیف حدیث محدثینؒ کے نزدیک قسم صحیح اور اقسام حسن میں سے ایک قسم ہے ”مَنھج السوی،، میں علامہ عبدالرحمٰن بن سلیمان لکھتے ہیں کہ جس مسئلہ میں صحیح حدیث نہ ملے تو مطلقاً ضعیف پر عمل کرنا امام احمدؒ سے منقول ہے۔ اور وہ ضعیف حدیث لوگوں کے رائے قیاس سے بدرجہا بہتر ہے” وَمَا نُقِلَ عَنِ الاِمَامِ اَحْمَدَ مِنَ الْعَمَلِ بِالْحَدِیْثِ الضَّعِیْفِ مُطْلَقاً حَیْثُ لَمْ یَرِدْ غَیْرہ وَاَنَّہ خَیْرٌ مِنَ الرَّاْیِ.

”ضعیف حدیث کی مختصر بحث اور ایک اہم نکتہ،،

صحیحین کی روایات تو جملہ اہل علم کے نزدیک متفق علیہ مختوم بالصحت وقابل عمل ہیں مگر سنن کی احادیث کو اکثر مقلدین

مذاہب اربعہ اور بعض اہل حدیث حضرات بھی ضعیف کہہ کر انہیں نا قابل تسلیم ومتروک العمل قرار دیتے ہیں، گویا ان کے نزدیک محدثین کا احادیث کو جمع کرنا، ان پر ابواب منعقد کر کے مسائل واحکام کا استخراج واستنباط نعوذ باللہ ایک فعل عبث کے مترادف ہے، حالانکہ جس ضعیف کی بنا پر وہ روایات سنن (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) وغیرہ کو ساقط عن الاحتجاج وناقابل عمل گردانتے ہیں وہ بعض رواۃ صحیحین میں بھی موجود ہیں تو پھر بخاری ومسلم کی احادیث بھی لائق عمل وقابل حجت نہیں ہونی چاہیئے۔

علم حدیث کو جس کسی نے استاد کامل، اہلحدیث، موحد، متبع سنت، ماہر فن سے حاصل کیا ہے۔ وہ خوب جانتے کہ ہر جگہ ضُعفِ سند ضعفِ متن کو مستلزم نہیں ہوتا۔ کتب صحاح میں اکثر احادیث ایسی ہیں کہ وہ سنداً ضعیف ہیں لیکن متناً برابر معمول بہ وقابل حجت ہیں، اس کی تفصیل وتوضیح کے لئے ذیل میں چند امثلہ پیش کرتا ہوں:

امام مسلمؒ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ثقہ راویوں سے حدیث روایت کرنی چاہئے۔

”فَلَسْنَا نَتَشَاغَلُ بِتَخْرِیْجِ حَدِیْثِھِمْ،،۔ (مقدمہ صحیح مسلم ص ۵) یعنی طبقہ ثالثہ سے ہم اپنی کتاب (مسلم) میں کوئی روایت نہیں لائیں گے بلکہ رواۃ ثقات سے روایت کریں گے جیسے عطاء بن سائبؒ، یزید بن زیادؒ، لیث بن ابی سلیم وغیرہ۔ مقدمہ صحیح مسلم کی شرح میں ہے کہ ابو عوانہ اگر عطاء بن سائب سے روایت کرے گا تو ”فَلاَ یُحْتَجُّ بِحَدِیْثِہٖ،، (شرح مقدمہ ص ۴) یعنی اس کی روایت قابل احتجاج نہ ہوگی۔ دوسرے راوی کے متعلق فرماتے ہے قَالَ الْحُفَّاظُ ”ھو ضَعِیْفٌ،، یعنی یزید بن ابی زیاد کو حفاظ نے ضعیف کہا ہے۔ علامہ یحیٰ بن معینؒ فرماتے ہیں ”، لَیْسَ ھُوَ بِشَیْءٍ،، یعنی یزید کسی لائق نہیں۔ ابو حاتمؒ فرماتے ہیں ” ضَعِیْفٌ،، یہ ضعیف ہے۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں ” مَتْرُوْکُ الْحَدِیْثِ،، یہ متروک الحدیث ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ” ضَعِیْفٌ فِی الْحَدِیْثِ،، یہ حدیث میں ضعیف تھا۔ تیسرے راوی کے متعلق کہتے ہیں’ ضَعَّفَہُ الْجَمَاھِیْرُ، لیث بن ابی سلیم جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ’مُضْطَرِبُ الْحَدِیْثِ،، یہ مضطرب الحدیث ہے۔

علی ھذا القیاس ابراہیم سکسکی جو صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہیں ”ضَعَّفَہ النَّسَائیّ وَ قَالَ ابْن قَطَّان ضَعَّفَہ قَوْمٌ فَلَمْ یَاْتُوْا بِحجَّۃٍ وَّ ذَکَرَہُ النَّوْوِیّ فِی الْخَلاَصَۃِ فِیْ فَصْلِ الضَّعِیْفِ (تلخیص الجیر ص ۸)

یعنی امام نسائیؒ نے اسکو ضعیف کہا ہے، ابن قطانؒ کہتے ہیں کہ ایک جماعت نے اسکو ضعیف کہا ہے۔ امام نوویؒ بھی اس کو فصل ضعیف میں لائے ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ”جَمِیْعُ مَا فِیْ ھَذَاالْکِتَابِ مِنَ الْحَدِیْثِ وَ ھوَ مَعْمُوْلٌ

بِهٖ اَخَذَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ مَاخَلَا حَدِيْثَيْنِ، (ترمذی ج ا۔ کتاب العلل)

یعنی جامع ترمذی میں تمام حدیثیں قابل عمل ہیں سوا، دو حدیثوں کے ۔ایک بلا عذر جمع بین الصلوتین کی ، دوسری شارب الخمر کے قتل کی ۔ حالانکہ کتب اسماء الرجال وخود ترمذی کے اعتبار سے سیکڑوں راوی ضعیف ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا فرمان ہے ،لَا يَخْلُوْاِسْنَادُ كُلِّ مِّنْهَا عَنْ مَّقَالٍ،، (فتح الباری)

امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ ''میری کتاب مستدرک کے راوی علی شرط بخاری ومسلم ہیں،،علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں مستدرک میں موضوع حدیثیں بھی ہیں ۔تعقبات سیوطیؒ کو ملاحظہ کروتو وہ صحیحین پر بھی جرح قدح کرتے ہیں ۔ابن جوزیؒ اور واقدیؒ نے بھی کئی جگہ صحاح کی روایات پر ہاتھ صاف کیا ہے اور منکرینِ حدیث نام نہاد اہلِ قرآن تو اقوالِ مذکورہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے نہ صرف صحاح ستہ بلکہ صحیحین پر بھی آئے دن ہاتھ صاف کرتے رہتے ہیں ۔اَفَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَوْهَدَاهُمْ.

''نتیجہ اوراستادی نکتہ''

کتب اسماء الرجال میں سے ہر صاحبِ کتاب نے حدیث کی صحت وعدم صحت یعنی ضعف کے متعلق اپنی اپنی تحقیق وعلم کے مطابق خامہ فرسائی کی ہے، اکثر احادیث ایسی ہیں کہ جن پر محدثین نے تبویب کی ،فتویٰ دیا ہے ،مسئلہ ثابت کیا ہے مگر اسماء الرجال والے اسے ضعیف کہتے ہیں ۔اولاً تو ضعیف کہنے سے اسے غیر قابلِ عمل سمجھنا ہی غلط ہے ۔اگر ضعیف کہنے سے یہی مراد ہوتی جو عرفِ عام میں سمجھی جاتی ہے تو پھر محدث کا ایسی حدیث کو (جو غیر معتبر وغیر معمول بہ، وناقبول تھی) اپنی کتاب میں لانا۔کسی امر کے جائز وناجائز حلال وحرام کے متعلق فیصلہ کرنا ہے العیاذ باللہ لغو ٹھیرتا ہے ،اوراتنے بڑے بڑے ضخیم دفاتر میں صرف کاغذ سیاہ کرنا لازم آتا ہے ،دوسری بات ۔جب اس کے مخرّج ومحدث صاحبِ کتاب نے اسے ضعیف نہیں کہا تو پچھلے لوگوں کا اسے ضعیف وغیر معتبر کہنا کیسے معتبر ہوسکتا ہے؟ قاعدہ کلیہ ہے ''صَاحِبُ الْبَيْتِ اَدْرٰى بِمَا فِيْهِ،، گھر والا ہی اپنے گھر کی چیزوں کو خوب جانتا ہے ۔باہر والوں کو کیا خبر ان کا صرف ظن وتخمینہ ہی ہوسکتا ہے ۔

یہ امر بدیہی اور ہر صاحبِ عقل سلیم کے نزدیک مسلم ہے کہ محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً اصحابِ صحاح ستہ کی تحقیق انیق جو اعلیٰ ارفع صحیح ومستند تھی وہ مابعد کے لوگوں کی ہرگز نہیں ۔محدثین ہی ہم عصر وغیرہ رواۃ وناقلینِ حدیث کے

حالات سے بخوبی واقف تھے'' لِاَنَّهُمْ خُلِقُوْا لِلْحَدِيْثِ. وہ علم حدیث ہی کی سچی وصحیح خدمت، جانچ پڑتال اور پرکھ کے لئے پیدا ہوئے تھے ۔

پس محدثین کی جماعت خصوصاً اصحابِ صحاح ستہ جنہوں نے اپنی کتابوں کے لئے جدوجہد واہتمام کے ساتھ صحت وثقاہت کا التزام کیا ہے، ان کی کتابیں عمل کرنے کے اعتبار سے زیادہ حقدار ہونگی ،گو وہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہی کیوں نہ ہو،ابرہیم سکسکی سے ہو یالیث بن ابوسلیم وغیرہ سے ۔

امام بخاریؒ کا فرمان ہے' مَاادْخَلْتُ فِىْ الصَّحِيْحِ اِلَّا مَا قَدْ صَحَّ،،اسی اعتبار سے امام مسلمؒ امام ترمذیؒ امام نسائیؒ وغیرہ نے اپنی تمام احادیث کو صحیح الاعتبار اور لائق عمل کہا ہے ،دلیل کے لئے خود ان کے حوالے کافی ہیں ،اصول حدیث میں بھی اسی طرح لکھا ہے چنانچہ تدریب الراوی ص ۴۸)، میں ہے ،وَحَسَّنَ الْمِزِىّ حَدِيْثَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ مَعَ تَخْرِيْجِ الْحُفَّاظِ بِتَضْعِيْفِه وَحَسَّنَ جَمَاعَةٌ كَثِيْرُوْنَ اَحَادِيْثَ جَرَحَ الْحُفَّاظُ بِتَضْعِيْفِهَا ثُمَّ تَايَّدَتْ كَلَامُ ابْنِ الصَّلَاحِ فَرَاَيْتُه سَوٰى بَيْنَه وَ بَيْنَ الصَّحِيْحِ حَيْثُ قَالَ فَالْاَمْرُ اِذًا فِىْ مَعْرِفَةِ الصَّحِيْحِ وَالْحَسَنِ اِلَى الْاِعْتِمَادِ وَ عَلٰى مَنْ نَّصَّ عَلَيْهِ اَئِمَّةُ الْحَدِيْثِ فِىْ كُتُبِهِمْ الخ ،،یعنی امام مزیؒ نے حدیث طلب العلم ،کو حسن کہا ہے باوجود کہ حفاظ نے اس کی تضعیف کی ہے اور بہت سی احادیث ایسی ہیں کہ محدثینؒ کی ایک جماعت نے ان کی تحسین کی ہے مگر جارحین نے ان پر جرح قدح کر کے ان کو ضعیف کہا ہے ۔ پھر میں نے علامہ ابن صلاحؒ کے قول سے تائید چاہی ،انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ صحت اور حسن اور احتجاج کے لائق وہ حدیث جسکو محدثینؒ اپنی اپنی کتابوں میں لائیں اور صحت کا التزام کریں ۔اب کسی جارح کی جرح ان کے مقابلہ میں معتبر نہ ہوگی آگے چل کر مزید تشریح بایں الفاظ کی ہے'' حَيْثُ قَالَ وَ كَثِيْرًا اَمَّا يَكُوْنُ الْحَدِيْثُ ضَعِيْفًا اَوْوَاهِيًا وَالْاِسْنَادُ صَحِيْحٌ مُرَكَّبٌ عَلَيْهِ،، (تدریب الراوی ص ۴۸) یعنی بسا اوقات سند صحیح ہوتی ہے مگر حدیث ضعیف ہوتی ہے ۔الفیہ عراقی میں ہے ''وَالْحُكْمُ لِلْاِسْنَادِ بِالصِّحَةِ اَوْ بِالْحَسَنِ دُوْنَ الْحُكْمِ لِلْمَتَنِ ،یعنی سند کا حکم اور ہوتا ہے، متن کا حکم اور۔امام سیوطیؒ فرماتے ہیں اَلْمَقْبُوْلُ مَاتَلَقَّاهُ الْعُلَمَاءُ بِالْقُبُوْلِ وَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّه اِسْنَادٌ فِيْمَا ذَكَرَه طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ ۔یعنی مقبول ومعمول بہ وہ حدیث ہے کہ جسکو محدثین کی جماعت نے لیا ہو، اگرچہ اس کی سند صحیح نہ ہو یہی مذہب ہے علامہ ابن عبد البرؒ وغیرہ کا (شرح نظم الدرر للسیوطیؒ) امام اہل السنہ احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ۔مِنَ الْعَمَلِ بِالْحَدِيْثِ الضَّعِيْفِ مُطْلَقًا حَيْثُ لَمْ يَرِدْ غَيْرُه ،یعنی ہر حالت میں ضعیف حدیث

قابل حجت ولائق عمل ہے بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی دوسرا حکم وارد نہ ہوا ہو (منہج السوی)

شیخ الاسلام امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کا دستور تھا کہ مرسل اور ضعیف حدیث پر عمل کر لیا کرتے تھے اور رائے یا قیاس پر اسکو مقدم جانتے تھے بشرطیکہ کوئی صحیح حدیث یا قول صحابی وغیرہ اس کے مخالف نہ ہو، امام ابوحنیفہؒ بھی ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم جانتے تھے۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک تھا۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک بھی حدیث مرسل، منقطع، بلاغات۔ کا قائل تھا، ملخصاً (اعلام الموقعین ص ۱۱)

اسی اعلام میں صاف مرقوم ہے، یعنی اس اصول کا کوئی بھی مخالف نہیں، بالاتفاق سب نے موافقت کی ہے جتنے امامانِ دین گذرے ہیں سب نے ضعیف حدیث کو رائے قیاس پر مقدم کیا ہے۔

امام سخاویؒ فرماتے ہیں ''یعنی جب کسی حدیث کو محدثین کی جماعت نے قبول کر لیا اور اپنی کتابوں میں لے آئے تو وہ حدیث صحیح اور متواتر مانی جائے گی،، (شرح الفیہ للحافظ السخاوی)

''خلاصہ کلام''

یہ ہے کہ جن محدثین نے اپنی کتاب میں صحت وثقاہت کا لتزام کیا ہے، ان کی کتابوں میں اگر کوئی حدیث سنداً ضعیف ہوگی تو بھی عملاً وہ صحیح ہے اور ان کا اپنی کتابوں میں لانا اور اثباتِ مسئلہ پر تبویب کرنا ہی اس کی صحت کی گارنٹی ہے مثلاً امام بخاریؒ وامام مسلمؒ کی کتاب میں بھی باعتبار اسماء الرجال کے ضعفاء ہیں مگر جس مسئلہ میں یہ حدیث لائے ہیں اور باب باندھ کر مسئلہ ثابت کیا ہے اس میں کسی قسم کا نقص اور شک وشبہ نہیں، جیسا کہ علامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزیؒ صاحبِ مشکوۃ نے، مقدمہ مشکوۃ میں فرمایا ہے،''یعنی جب کسی حدیث کو امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی وغیرہ ائمہ متقنون اور ثقاتِ راسخون کی طرف منسوب کروں (یعنی ان کی کتابوں کا حوالہ دوں) تو بس سمجھ لو کہ میں نے اس حدیث کو نبی ﷺ تک پہنچا دیا اور اس کے ماننے وعمل کرنے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہا،

کیونکہ یہ جملہ محدثین حدیث کی جانچ وپڑتال، اس کے سند کے متعلق بحث وتمحیص سے قطعاً فارغ ہو چکے ہیں الخ

علامہ شیخ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ مقدمہ فتح الباری میں رقمطراز ہیں ''قد تقرر انہ التزم فی الصحۃ وانہ لا یورد فیہ الا حدیثاً صحیحاً،، یعنی سب کے نزدیک یہ مسلم اور طے شدہ بات ہے کہ امام بخاریؒ نے اس کتاب بخاری میں صحت کا پورا پورا التزام واہتمام کیا ہے، بجز صحیح حدیث کے کوئی دوسری چیز نہیں لاتے،

اسی طرح دیگر اصحابِ صحاح ستہ یعنی اہل سنن نے بھی اپنی کتب متداولہ کے لئے یہی التزام کیا ہے کہ جتنی حدیثیں ان کتابوں (ابوداؤد ترمذی، نسائی، وغیرہ) میں ہیں عملاً سب صحیح ہیں، جس حدیث پر ان محدثین نے خود جرح کی ہے اس کو ضعیف یا خطا کہا ہے اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ وہ متروک العمل یا موضوع ہے، بلکہ عوام کو آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔

واضح رہے کہ: حسن بصریؒ معبد جہنی کی روایت لینے سے انکار کرتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ'' فَاِنَّهُ ضَالٌّ مُّضِلٌّ ،، یہ خود گمراہ ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ اور پھر بعض وقت خود اسی سے روایت کرتے تھے وجہ یہی تھی کہ اس کے سچ اور جھوٹ کو پہچانتے تھے، عوام کو جو اس کی تمیز ومہارت نہیں رکھتے تھے منع کرتے تھے۔

امام ترمذیؒ کتاب العلل میں فرماتے ہیں'' **وَقَدْ رَوٰی غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْاَئِمَّةِ عَنِ الضُّعَفَاءِ وَبَيَّنُوْا اَحْوَالَهُمْ لِلنَّاسِ** ،، یعنی بہت سے ائمہ حدیث نے ضعیف راویوں سے روایت لی ہے اور عوام الناس کو ان کے حالات سے آگاہ کر دیا کہ ہم جو روایت ان سے لائے وہ ٹھیک اور قابل عمل ہے، تم ان سے لے کر دھوکہ نہ کھا جانا۔ علامہ سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے'' **اِتَّقُوا الْكَلْبِيَّ** ،، کلبی نامی شخص کی روایت سے بچتے رہو، **فَقِيْلَ لَهُ فَاِنَّكَ تَرْوِیْ عَنْهُ قَالَ اَنَا اَعْرِفُ صِدْقَهُ مِنْ كِذْبِه**،، کسی نے کہا آپ اس سے روایت کرتے ہیں، فرمایا میں تو اس کے سچ اور جھوٹ کو پہچانتا ہوں (کتاب العلل للترمذی)۔ ابان بن ابی عیاش ایک ضعیف اور کاذب راوی ہے، مگر امام ترمذیؒ اپنی کتاب العلل میں فرماتے ہیں ''**وَقَدْ رَوٰی عَنْ اَبَانَ بْنِ عَيَّاشٍ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْاَئِمَّةِ وَاِنْ كَانَ فِيْهِ مِنَ الضُّعْفِ وَالْغَفْلَةِ مَا وَصَفَهُ اَبُوْعَوَانَةَ وَغَيْرُه**،،

یعنی ابان بن ابو عیاش سے باوجود اس کے ضعف وغفلت کے بہت سے اماموں نے روایت لی ہے۔

بس قریب قریب یہی حال ہے اکثر رواۃ ورجال اصحابِ ستہ کا، گو ان میں رواۃِ ضعاف ضرور موجود ہیں، لیکن چونکہ ضعیف کی ہر بات کمزور ولچر اور کاذب کی ہر بات جھوٹی نہیں ہوا کرتی لہذا محدثین خصوصاً اربابِ صحاح اپنی کتب متداولہ معتبرہ مقررہ فی الاسلام میں ان سے جو روایت لائیں گے وہ یقیناً قابل قبول وقابل تسلیم ہے۔

''ضعیف احادیث متعدد طرق واسانید کی وجہ سے حسن اور قابل عمل ولائق احتجاج ہو جاتی ہے،،۔

علامہ ابن علان شرح اذکار، میں فرماتے ہیں'' **وَظَاهِرُ كَلَامِ الْاَصْحَابِ عَدَمُ الْاِلْتِفَاتِ اِلَى الْخَبَرِ الضَّعِيْفِ فِي الْاَحْكَامِ اِذَا لَمْ يُوْجَدْ غَيْرُهُ اِذَا لَمْ تَعَدَّدْ طُرُقُهُ وَ اَمَّا اِذَا تَعَدَّدَتْ فَقَالَ الْمُحَدِّثُوْنَ**

الضَّعِيفُ قِسمَانِ قِسمٌ يَنْجَبِرُ بِتَعَدُّدِ الطُّرُقِ اِلَى قَوْلِهِ فَاِنَّهُ عِندَ تَعَدُّدِ الطُّرُقِ يَرْتَقِي مِنَ الضَّعِيفِ اِلَى الْحَسَنِ لِغَيْرِهِ وَ يَصِيرُ مَقْبُوْلًا مَعْمُوْلًا بِهِ حِيْنَئِذٍ ، ،یعنی حدیث ضعیف کے جب متعدد طرق ہوں تو کثرت اسانید و تعدد طرق کی وجہ سے اس کا ضعف منجبر و زائل ہوجاتا ہے اور وہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ میں پہنچ کر مقبول و معمول بہ ہوجاتی ہے۔

امام نوویؒ خود اپنی کتاب شرح مہذب میں فرماتے ہیں يُعْمَلُ بِالْحَدِيْثِ الضَّعِيْفِ اِذَا رُوِيَ مِنْ طُرُقٍ مُفْرَدَاتُهَا ضَعِيْفَةٌ فَاِنَّهُ يُقَوِّيْ بَعْضُهَا بَعْضاً وَ يَصِيْرُ الْحَدِيْثُ حَسَناً وَيُحْتَجُّ بِهِ ، ،یعنی ضعیف حدیث متعدد طرق و اسانید کی وجہ سے حسن اور قابل عمل و لائق احتجاج ہوجاتی ہے۔ كَذَالِكَ فِي التُّحْفَةِ الْمَرْضِيَّةِ، ص۲۶۳)، فِي حَلِّ بَعْضِ الْمُشْكَلَاتِ الْحَدِيْثِيَّةِ لِلْعَلَّامَةِ الشَّيْخِ حُسَيْنِ بْنِ مُحْسِنِ الْاَنْصَارِيِّ الْيَمَانِيْ،

ہمارے بہت سے بھائی شواہد و توابع کی طرف غور نہ کرتے ہوئے حدیث کی سند ضعیف دیکھ کر بلا تردد اس کو نا قابل عمل قرار دے دیتے ہیں، جو کہ اصول محدثین و محققین سلف کے بالکل خلاف ہے۔ مولانا عبدالرؤف ظفر صاحب التحدیث میں لکھتے ہیں ''شاہد کی تعریف یہ کہ دوسرا راوی یوں تو اس کی تائید کرتا ہو مگر دوسرے صحابی سے روایت کرتا ہو، اور اس کی یہ روایت لفظ و معنی دونوں یا صرف معنی میں پہلے راوی کی روایت سے ملتی جلتی ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی دوسرے صحابی سے اس کے مشابہ حدیث لفظ یا معنی میں ہو تو وہ شاہد ہے، (حوالہ التحدیث فی علوم الحدیث ص۲۵۳)، وسبل السلام شرح بلوغ المرام مترجم ج۳/۴۱۵)

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ گو اسی روایت کے ہم معنی روایت کسی دوسرے صحابی سے مروی ہو تو اسے شاہد کہتے ہیں (اختصار علوم الحدیث ص۴۷)

ضعیف حدیث کوئی جھوٹی یا غلط گھڑی ہوئی حدیث نہیں ہوتی جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے، بلکہ ضعیف کا حکم محدثین ؒ نے محض احتیاط کی بنا پر لگایا ہے کہ یہ حدیث پہلی دو قسموں صحیح و حسن کے شرائط موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان سے درجہ میں کم ہے۔ اور پھر اگر ضعیف حدیث کو شواہد مل جائیں تو وہ حسن درجہ کی ہوجاتی ہے۔ مثلاً دو یا اس سے زیادہ سندوں کا مل جانا اگرچہ دونوں اسنادیں ضعیف ہی کیوں نہ ہوں تو وہ حسن کے درجے کو پہنچ جاتی ہے (مقدمہ مشکوۃ عبدالحق دہلوی۔

حافظ زبیر علی زئیؒ لکھتے ہیں کہ ''حسن لغیرہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی متعدد سندیں ہوں اور ہر سند میں ضعف ہو،

متعدد سندوں کی وجہ سے ضعف کی تلافی ہوجائے تو وہ حسن لغیرہ کو پہنچ جاتی ہے (ابوداؤد مع تخریج زبیر علی زئی ص۷۹)۔ مصطلح الحدیث میں ہے ''وہ ضعیف حدیث جس کی سندیں زیادہ ہوں، اور اس کے ضعیف ہونے کا سبب راوی کا فاسق یا کاذب ہونا نہ ہو تو وہ حسن لغیرہ کہلاتی ہے (تیسیر مصطلح الحدیث ص۵۳)

ڈاکٹر محمد طحانؒ نے بھی اپنی تیسیر مصطلح الحدیث ص۵۱، میں لکھا ہے اور ساتھ ہی حسن لغیرہ کا حکم بیان کیا کہ ''هُوَ مِنَ المقبول الذی يحتج به ، ، یہ حدیث مقبول کی قسم میں سے ہے جس سے حجت لی جاتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں کی ''قَدْ نَقَلَ ابْنُ الصَّلَاحِ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ اَلْاِتِّفَاقَ عَلَى اَنَّ الْحَدِيْثَ الْحَسَنَ يُحْتَجُّ بِهِ كَمَا يُحْتَجُّ بِالصَّحِيحِ وَ اِنْ كَانَ دُوْنَهُ فِي الْمَرْتَبَةِ ، ،یعنی امام ابن الصلاحؒ نے اپنے (مقدمہ ص ۱۰۴)، میں اور ان کے علاوہ کئی محققین نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ہر طرح کی حسن حدیث پر صحیح کی طرح عمل ہوگا، اس سے حجت لی جائے گی (البحر الذی زخر فی شرح الفیہ الأ ثری للسیوطی ۳/۹۹۹)

الغرض احادیث انفرادی طور پر اگرچہ ضعیف ہی کیوں نہ ہوں لیکن شواہد کی بنیاد پر مجموعی طور پر حسن ہوجاتی ہیں، اسی لئے امام ترمذیؒ جگہ جگہ فرماتے ہیں ''هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ / ضَعِيْفٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ ، ، یہ حدیث ضعیف ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل رہا ہے) امام ترمذیؒ کے اس قول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ حدیث ہے تو ضعیف نا قابل عمل، لیکن علماء اسلام تابعین و تبع تابعین و محدثین وغیرہ نے اپنے بیوقوفی و نا سمجھی سے اس پر عمل کرلیا ہے، نہیں بلکہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہونے کے باوجود قابل عمل ہے، (شواہد و توابع کی وجہ سے) اسلئے تمام محدثین وغیرہ اس پر عمل کرتے رہے۔

خلاصہ کتاب

''قرآنی آیات کا جواب، نماز اور غیر نماز، ، کا مختصر جائزہ، ،

موصوف: نے اپنی کتاب '' قرآنی آیات کا جواب، نماز اور غیر نماز کے صفحہ نمبر۴۰، ۴۱۔ میں ابوموسیٰ الاشعریؓ کے اثر کو ذکر کرنے کے بعد صحیح کا درجہ لگایا ہے، نیز لکھا ہے کہ جمعہ کی نماز میں امام ہونے کی صورت میں سورہ اعلیٰ کی پہلی آیت کا جواب دیا ہے،

موصوف: سے سوال ہے کہ جمعہ کی نماز میں صحابہؓ کرامؓ کے دور میں کتنے صحابہ اور مصلیان رہے ہوں گے؟ اور یہ اس دور

کی بات ہے جس دور میں صحابۂ کرامؓ کے ایک وقت کی نماز ترک کرنے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، جمعہ کی نماز سے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ایسی نماز میں نہ جانے کتنے صحابہ وتابعین ہوں گے، آیت کا جواب سنے ہوں گے، لیکن اس کے برخلاف کسی صحابی سے بھی اختلاف ثابت نہیں ہے، یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے دور میں آیات کا جواب دینے کا سنت جاری وساری تھا، نیز اس پر صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ کا اجماع تھا

لیکن افسوس! صحابۂ کرامؓ کے صحیح آثار اور متفقہ طور پر عمل ہونے کے باوجود امت کو اپنی تصنیف شدہ کتاب کے صفحہ نمبر ۴۱) میں درس دے رہے ہیں'' کہ کبھی کبھار عمل کے لئے جائز قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن اسے مؤکد عمل کی حیثیت نہیں دی جاسکتی،، موصوف کو تو اپنی کتاب میں کبھی کبھار صحیح آثار کی وجہ سے جواب دینے کی بات کو مجبوراً لکھنا پڑا، لیکن موصوف نے: اپنی تحریر شدہ مضمون، (ماہنامہ اہل السنہ (۲) شمارہ (۲۴) ممبئی، ستمبر/اکتوبر ۲۰۱۳ء صفحہ نمبر ۳۰) میں صحابۂ کرامؓ کے آثار کو سرے ہی سے خارج کر دیا ہے نیز لکھتے ہیں کہ یہ دلائل کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ یہ اجتہاد وقیاس کے قبیل سے ہیں، اس لئے قابل عمل نہیں ہیں، موصوف کی بات میں کتنی تضاد ہے، اہل السنہ کے مضمون میں نا قابل عمل لکھا ہے اور اپنی کتاب قرآنی آیات کا جواب، نماز اور غیر نماز میں، لکھ رہے ہیں کہ کبھی کبھار عمل کیا جاسکتا ہے، موصوف خود بتائیں کہ عوام آپ کی کس بات پر عمل کریں؟

دوسری: اہم بات یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ نے اور سلف صالحین نے صحابۂ کرامؓ کے بارے میں یہی تعلیم دی ہیں کہ صحابۂ کرامؓ کی باتوں پر کبھی کبھار عمل کر لینا ہی تمہاری نجات کے لئے کافی ہے، اگر کتاب وسنت میں کہیں اس طرح کی مثال ہو تو موصوف باخبر کریں میں ممنون ومشکور ہوں گا۔ کیا صحابۂ کرامؓ کے کئے ہوئے عمل کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا صحیح ہے؟ کہ کبھی عمل کے لائق نہیں اور کبھی کبھار عمل کر بھی سکتے ہیں۔

جہاں تک ناچیز کو صحابۂ کرامؓ کے بارے میں معلوم ہے وہ یہ ہے۔

ہمیں ان حضرات کو معیار اور آئیڈیل ماننا ہوگا جنھیں خود اللہ تعالیٰ نے معیار اور آئیڈیل قرار دیا ہے، اور وہ نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر آپ پر ایمان لانے والے اس امت کے اولین مسلمان ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے جنت کی بشارت دی، جن سے راضی ہونے کا اعلان کیا، جنھیں اس نے اپنے سب سے پیارے نبی ﷺ کی صحبت کے لئے منتخب کیا اور انھیں آنحضور ﷺ کا دیدار کرنے، ان کے لبوں سے کلام اللہ اور احادیث مبارکہ براہِ راست سننے کا شرف بخشا.......یعنی صحابۂ کرامؓ۔

وہ صحابۂ کرامؓ جن کے ایمانِ صادق کو اللہ تعالیٰ نے باقی لوگوں کیلئے معیار قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ'' (سورہ البقرہ آیت: ۱۳۷)

''پس اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یافتہ ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (اس لئے کہ آپ کی) مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔،،

صحابۂ کرامؓ کے مقام کی رفعت اور بلندی کا کیا کہنا کہ جن کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرنے والوں کو رب ذوالجلال جہنم کا مژدہ سنایا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: (وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا) [النساء ۱۱۵ :

''اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے،،

اس آیت کریمہ میں مومنوں کے راستے سے مراد صحابۂ کرامؓ کا راستہ ہے کیونکہ نزولِ قرآن مجید کے وقت بس وہی مومن تھے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی بات کی تلقین کی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((وَعَنْ أَبِي نَجِيْحٍ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ ، وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ فَقُلْنَا : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كَاَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَأَوْصِنَا ، قَالَ : أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ ، وَاِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَسِيٌّ ، فَاِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا ، وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ،وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))(رواه أبوداود والترمذی ، وقال حديث حسن صحيح)

سیدنا ابونجیح عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے'' رسول اللہ ﷺ نے ایک وعظ فرمایا جس سے دل کانپ اٹھے اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ ہم نے کہا: یارسول اللہ! یہ تو گویا الوداع کہنے والے یعنی چھوڑ کر جانے والے کا سا وعظ ہے۔

آپ ہمیں مزید وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے تقوی کی وصیت کرتا ہوں اور وصیت کرتا ہوں کہ اپنے اور آنے والے حکام و امراء کے احکام سننا اور اطاعت کرنا خواہ تم پر کوئی حبشی غلام ہی (امیر) حاکم بن جائے۔ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ یقیناً بہت سارے اختلافات دیکھے گا (ان حالات میں) تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت (طریقہ) کو لازم پکڑنا اور اسے داڑھوں سے قابو کرنا۔ دین میں نئے نئے کاموں کے ایجاد کرنے سے بچ کر رہنا کیونکہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے کئی باتوں کی وصیت فرمائی جن میں سے آپ ﷺ نے فرمایا تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت (طریقہ) کو لازم پکڑنا یعنی آپ ﷺ نے تاکیدی طور پر اپنی سنت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے (طریقہ) کو بھی سنت سے تعبیر کیا اور فرمایا (وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ) بالنواجذ جمع [نَاجِذ، کی ہے۔

اس سے آخری داڑھ مراد ہے جس کو عقل داڑھ کہتے ہیں (جو سب سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے) اس میں سابقہ ذکر کردہ سنت پر عمل کی تاکید ہے۔ (حوالہ شرح اربعین نووی صفحہ نمبر ۱۵۶، ۱۵۷)

تنبیہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے (طریقہ) کو بھی سنت کہا ہے مزید یہ کہ مضبوط داڑھ کی دانت سے پکڑنے کی تاکید بھی فرمائی،

موصوف: اپنی کتاب (کے صفحہ نمبر ۴۱) میں تحریر فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ اسے کبھی کبھار کے لئے جائز قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اسے مؤکد عمل اور سنت راتبہ کی حیثیت نہیں دی جاسکتی،

بھلا بتایئے: کہ میں کس کی بات تسلیم کروں موصوف کی یا نبی ﷺ کی، مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول یاد آتا ہے وہ کہتے ہیں'' **اخشی ان تنزل علیکم حجارة من السماء اقول لکم قال رسول الله ﷺ و تقولون قال ابوبکر وعمر،،** حوالہ جب فرمان رسول ﷺ کے سامنے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بات نہیں مانی جاسکتی تو موصوف کی کیسے مانیں۔

نوٹ: کوئی یہ نہ کہے کہ یہ تو خلفاء راشدین کی بات ہے، بلکہ بعض محققین کے نزدیک اس کا اطلاق عام ہے اسی لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو بھی خلیفہ راشد تصور کیا گیا ہے۔ (دیکھیے شرح اربعین نووی صفحہ ۱۶۰)

تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کی اس آیت: ''فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ

شِقَاقٍ ''(سورہ البقرہ آیت: ۱۳۷)

''پس اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یافتہ ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (اس لئے کہ آپ کی) مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔ کے مصداق ہیں۔ ابوموسی الاشعری رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی صحیح سندوں کے ساتھ آثار موجود ہیں۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین جیسا کہ امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے'' باب کتاب الصلوۃ کے اندر اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے بھی ان حدیثوں کو ذکر کیا ہے میں نے اس کی تفصیل صفحہ ۱۷ پر ذکر کر دی ہے۔ اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بھی مقتدی ہونے کی صورت آیت کا جواب دینے کی روایت موجود ہے۔

یہ بات لکھنے کی جسارت کیوں کی؟

اس تحریر سے کسی کی دل آزاری مقصود نہیں ہے، مجھے تعجب اس بات پر ہوئی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اسطرح کا عقیدہ رکھنا یا تأثر قائم کرنا، ایمان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ جب کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات موجود ہونے کے باوجود دھوکا کھا سکتے ہیں، تو سند میں رواۃ کے بارے میں جرح کر کے کوئی رائے قائم کرنا ہم آپ جیسے علماء کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ کام ان محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل کا ہے جو فن اسماء الرجال کے ماہر ہیں۔ کیونکہ موجودہ دور میں ضعیف حدیث کا نام سنتے ہی لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، انھیں کیا معلوم کہ محدثین نے ضعیف کیوں کہا ہے، ضعیف حدیث کی کتنی قسمیں ہیں، ان میں کون کون لائق عمل ہیں اور کون عمل کے لائق نہیں ہیں، کیونکہ اصولیین نے حدیثوں پر عمل کے بارے میں جو اصول قائم کئے ہیں مثلاً حدیث حسن لغیرہ ہے، یا حسن لذاتہ ہے وغیرہ، اگرچہ یہ ضعیف حدیث کی قسموں میں سے ہیں، لیکن یہ قابل عمل و لائق احتجاج ہیں۔ لیکن عوام کو کیا معلوم وہ تو ضعیف کے نام سے ہی نفرت کرتے ہیں تو ان حدیثوں پر عمل نہ کرنے کا ذمہ دار کون ہوگا؟ ظاہر سی بات ہے ہم آپ جیسے علماء ہوں گے، جو ہر ضعیف حدیث کو ناقابل عمل بتاتے ہیں، نیز جن نوجوانوں کو بڑی محنت سے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا گیا تھا، آج آپس میں وہ ایک دوسرے کو کفر کا فتوی لگا رہے ہیں، اخوت و بھائی چارہ آپسی میل و محبت ختم ہو چکا ہے، یہاں تک کہ امام یا منفرد کی صورت میں آیات کا جواب دینے کی وجہ سے زدوکوب کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ قرآنی آیات کا جواب دینے کی وجہ سے امامت سے نکالا جاتا ہے، نیز جواب دینے والوں کو امام بنانے سے عوام کو روکا جاتا ہے، آج تک مقلدین کے بارے میں سنتے آرہے تھے کہ اس مسجد میں فلاں لوگ آمین نہیں کہہ سکتے

یا نماز نہیں پڑھ سکتے ،لیکن افسوس ! آج اہل حدیث خود اہل حدیث سے بدظن ہو رہے ہیں اور مسجد میں نہ جانے پر مجبور کر رہے ہیں۔اللہ ہم سب کو اپنی اصلاح کی توفیق دے۔آمین

موصوف کے قول میں تضاد: (۱)

موصوف اپنی کتاب کے صفحہ (۵۰) میں ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،اول تو امام کے لئے یہ سنت ثابت نہیں پھر اقتدا کا سوال ہی نہیں رہا، لیکن صفحہ (۴۱) میں لکھتے ہیں رہا امام اور منفرد کی صورت میں کبھی کبھار کے لئے جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔حالانکہ امام کے لئے سورہ اعلیٰ کی پہلی آیت کا جواب دینا فرض نماز میں اکثر محدثینؒ کے نزدیک مرفوع وموقوف دونوں حدیثوں سے ثابت ہے۔

موصوف: صحابۂ کرامؓ کے بارے ٹال مٹول کر رہے ہیں کہیں انکار،تو کہیں اقرار؟ جیسا کہ میں جریدہ ’’اہل السنہ،، کے حوالہ سے ص ۵۹، میں تحریر کر چکا ہوں۔

حافظ ابن حجر العسقلانیؒ کے قول میں تضاد کی کوشش؟ مگر ناکام۔

موصوف اپنی کتاب قرآنی آیات کا جواب،نماز اور غیر نماز کے (ص۱۲) میں تحریر فرماتے ہیں کہ،فضائل اعمال میں بھی جن اہل علم نے ضعیف احادیث پر عمل کی بات کہی ہے انہوں نے علی الاطلاق یہ بات نہیں کہی ہے بلکہ اس کی شرطیں بیان کی ہیں،موصوف نے چھ شرائط ذکر کئے ہیں۔ان شرطوں میں سے چار شرطیں حافظ ابن حجرؒ کی کتاب (تبیین العجب لابن حجر ص ۲) کے حوالے سے ہیں دیکھئے (حاشیہ ص۱۲ میں (۲،۳،۵،۶ ،) موصوف پھر اپنی کتاب (کے ص ۱۳،۱۴،) میں حافظ ابن حجرؒ ہی کی کتاب (تبیین العجب ص:۲) کے حوالے سے قول نوٹ کر رہے ہیں کہ حدیث پر عمل کرنے میں احکام اور فضائل کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ سب شریعت ہیں،،

لہذا جب عمل کی فضیلت بھی شریعت کا حصہ ہے،تو شریعت کی طرف سے کوئی بات بغیر ثبوت کے منسوب نہیں کی جا سکتی، ’’یعنی موصوف کا مقصد ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا یا احکام کا استنباط کرنا شریعت کی طرف بغیر ثبوت کے منسوب کرنے کے مترادف ہے،،

موصوف سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایک جگہ حافظ ابن حجرؒ فضائلِ اعمال والی،احادیث پر عمل کے لئے چار شرطیں بیان کر رہے ہیں اور دوسری جگہ لکھ رہے ہیں احکام اور فضائل دونوں برابر ہیں،یعنی سب شریعت ہیں،

گویا آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ حافظ ابن حجرؒ کے قول میں تضاد ہے،

لیکن جہاں تک حق کی بات ہے وہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کے قول میں کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ حافظ ابن حجرؒ کا مقصد ہے کہ حدیث چاہے احکام کی ہوں یا فضائل کی ہوں دونوں شریعت میں عمل کے اعتبار سے یکساں ہیں اس میں صحیح اور ضعیف کی بات ہی نہیں جیسا کہ عبارت سے واضح ہے،لہذا حافظ ابن حجرؒ کی عبارت ملاحظہ ہوں ’ وَلا فَرَقَ فِی الْعَمَلِ بِالْحَدِیْثِ فِی الْاَحْکَامِ ، أوْ فِی الْفَضَائِلِ ، اِذَا لِکلِّ شَرَعٍ،، (حوالہ:قرآنی آیات کا جواب،نماز اور غیر نماز ص۱۳) ورنہ نعوذ باللہ حافظ ابن حجرؒ موصوف کے قول کے مطابق شریعت ساز ٹھہریں گے، کیونکہ علامہ ابوالفضل شہاب الدین احمد ابن حجر العسقلانیؒ نے خود اپنی کتاب ’’بلوغ المرام من أدلة الاحکام،، اور دوسری کتابوں کے اندر سینکڑں ضعیف احادیث قلمبند کیا ہے،بطور مثال چند حدیثیں پیشِ خدمت ہیں،’’بلوغ المرام،شرح اتحاف الکرام،

’’و عَنْ أبِی هرَیْرَةَرضی الله عنه قال: قَالَتْ خَوْلَة : یارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَاِنْ لَمْ یَذْهَبِ الدَّم؟ قال: یَکْفِیْکِ الْمَاء، وَلاَ یَضرّکِ أثره. أخْرَجه التِّرْمِذِیّ،وَسَنَده ضَعِیْفٌ،، (ج ۱/ص ۵۰ حدیث نمبر ۲۸) نیز اسی کتاب کے ’’و عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مصَرِّفٍ عَنْ أبِیهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ:رَأیْت رَسولَ اللهِ ﷺ یَفْصِل بَیْنَ الْمَضْمَضَةِ وَالاِسْتِنْشَاقِ. اَخْرَجه أبوْدَاؤدَ بِاسِنَادٍ ضَعِیْفٍ. (ج۱،ص۶۳ ،حدیث نمبر،۴۷)و عَنْه قال: کان النبی ﷺ اذا توضا ادار الماء علی مرفقیه . اخرجه الدار قطنی باسناد ضعیف.(ج/ ۱ ص ۶۲ ،حدیث نمبر ۴۵) یہاں تک کہ مجہول روایت کو بھی لائے ہیں،مزید اسی کتاب کے وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ :ان تحت کل شعرة جنابة فاغسلواالشعر، وانقوا البشر))رواه ابو داؤد والترمذی وضعفاه،ولأحمد عن عأشة رضی الله عنها نحوه ، وفیه راوٍ مجهول .(ج/۱ص۱۰۵،حدیث نمبر۱۰۸)

وَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنه قال: من السنة ان لا یصلی الرجل باالتیمم الا صلوة واحدة ، ثم یتیمم للصلوة الاخری ۔رواه الدارقطنی باسناد ضعیف جدا۔(ج/۱،ص۱۳۰،حدیث نمبر،۱۱۷) وعن أبی هریرة رضی الله عنه ، ان النبییﷺ نهی عن بیع المضامین والملاقیح . رواه البزار ،وفی اسناده ضعفٌ. (ج/۲،ص۵۴۰،حدیث نمبر۶۹۰)و عن ابن عمر رضی الله عنهما ، ان النبییﷺ نهی عن بیع الکالیء ، یعنی الدین بالدین .رواه اسحاق والبزار باسناد ضعیفٍ.(ج/۲،ص۵۵۴،حدیث نمبر

۱۱۷) وعن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، قال: قال رسول الله ﷺ لا كفالة فى حدٍّ. رواه البيهقي باسنادضعيفٍ. (ج۲،ص۵۸۰، حدیث نمبر۱۲۷۱۷) و عن ابن عمر رضى الله عنهما، ان النبى ﷺ ردَّ اليمين على طالب الحق. رواهما الدار قطنى، وفى اسنادهما ضعفٌ. (ج۲،ص۹۰۳، حدیث نمبر ۱۲۱۸) ان کے علاوہ بے شمار ضعیف مرسل اور مجہول احادیث کو لائے ہیں۔اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کتاب کی شرح کرنے والے عرب وعجم کی مشہور ومعروف شخصیت علامہ صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ (صاحب الرحیق المختوم ہیں)، اور اس کتاب کو تصحیح و تنقیح کرنے والے مشہور ومعروف محقق عالم ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ ہے، لیکن قربان جایئے، ان اسلاف کے احادیث کے فقاہت پر کہ انہوں حدیثوں کے سند بیان کیا، حاصل کلام: میں ضعیف وغیرہ کی وضاحت بھی کیا ہے، لیکن یہ نہیں کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، تو یہ نا قابلِ عمل ہے، یا لائق احتجاج نہیں ہے، بلکہ ان حدیثوں سے احکام ومسائل کا استنباط کیا ہے۔

تو اس کا مطلب کیا یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ حافظ ابن حجرؒ شریعت ساز تھے؟، کیا حافظ ابن حجرؒ قرآن کی اس آیت: ((يَا أيّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنوُا لِمَا تَقوُلوُنَ مَالاَ تَفعَلوُنَ،، جمعه: ۲) سے نابلد تھے یا ان کا عمل کے خلاف تھا۔لیکن موصوف نے اپنا موقف ثابت کرنے کے لئے حافظ ابن حجرؒ کی باتوں میں تضاد پیدا کرنی کی کوشش کی ہے، کتنی حیرت کن بات ہے۔اللہ ہم سب کو سلف صالحین کے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔(آمین)

نیز اپنی کتاب ص۱۳) میں فیصلہ سنا رہے ہیں کہ فضائل اعمال میں بھی ضعیف احادیث پر عمل کرنا محدثین کے ان شرائط کے باوجود بھی درست نہیں ہے، یعنی محدثین کا یہ موقف صحیح نہیں ہے۔

''موصوف کی تحقیق کے مطابق تمام محدثین شریعت ساز ہیں''

موصوف نے اپنی کتاب کے ص۱۳) میں، سورہ شوری کی آیت: ۲۱) ادھوری پیش کر کے ضعیف احادیث پر عمل کرنے والوں کو شریعت ساز قرار دیا ہے، جو نہایت ہی قابلِ افسوس ناک اور شرمندگی کی بات ہے،

ناچیز نے اس آیت کے تعلق سے کئی تفاسیر واصول حدیث کا مطالعہ کیا، لیکن آیت کا مقصدِ نزول، اللہ نے کچھ اور ہی بیان کیا ہے، جو مشرکین عرب اور دورِ جاہلیت کے شرک کے تعلق سے ہے، ادنیٰ درجہ کا طالب علم بھی اس آیت کی تلاوت کے بعد مقصدِ نزول کو با آسانی سمجھ سکتا ہے، ساتھ ہی موصوف نے ادھوری آیت کو تحریر کرنے کے بعد حافظ ابن حجرؒ کے قول کو تحریر کیا ہے، حالانکہ حافظ ابن حجرؒ سے اس آیت کی مناسبت سے اس طرح کا اور میرے علم کے مطابق نہ ہی

کسی محدث نے اس آیت کو ذکر کر کے فضائل اعمال کی ضعیف احادیث پر عمل کرنے والوں کو شریعت ساز ٹھہرایا ہے، بلکہ امام بخاری ومسلم وغیرہ نے سورہ حجرات آیت: ۶) (يَا أيّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنوُا اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاءٍ فَتَبَيَّنوُا، الأية)، اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو۔اور سورہ بقرہ کی آیت: ۱۸۲ (يَاَيّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنوُ اِذَاتَدَايَنتُم بِدَيْنٍ اِلَیٰ اَجَلٍ مّسَمًّی الأية) سے استدلال کیا ہے (یعنی راوی پر جرح کی جانب اشارہ کیا ہے) ہاں البتہ بعض علماء نے تقلید کی رد میں جو احادیث کے مقابلے میں اپنی فقہ پیش کرتے ہیں اور بدعات ایجاد کرتے ہیں اس آیت سے استدلال کیا ہے لیکن موصوف نے اس آیت سے تمام موحدین ومحدثین کو امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداوٗدؒ، امام نسائیؒ، امام ترمذیؒ، امام ابن ماجہؒ، وغیرہم، یعنی جتنے بھی محدثین ہیں سب کو شریعت ساز کے ایک ہی کٹہرے میں لا کھڑا کر دیا ہے۔کیونکہ امام بخاریؒ کی کتاب ''صحیح بخاری شریف،، میں بھی بعض لوگوں نے بعض حدیثوں کو ضعیف گردانا ہے، نیز امام بخاریؒ کی ''ادب المفرد،، مشہور کتاب ہے اس میں بھی علامہ ناصر الدین البانیؒ نے صحیح اور ضعیف میں تقسیم کیا ہے، اسی طرح امام مسلمؒ کی کتاب ''صحیح مسلم شریف،، کا بھی تقریباً یہی معاملہ ہے، نیز صحاح ستہ کے اندر، نہ جانے کتنی احادیث ضعیف ہیں کیونکہ امام ترمذی خود اپنی کتاب میں فرماتے ہیں'' هٰذَا حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ،، اسی طرح علامہ حافظ ابن حجرؒ جو شارح بخاری ہیں یعنی تمام محدثین نے تقریباً اپنی کتاب میں یا رسالہ میں اشارۃً باب باندھ کر ضعیف احایث سے احکام ومسائل کا استنباط کئے ہیں، سب کو اس آیت سے، شریعت ساز بتا کر مشرک کے صف میں کھڑا کر دیا ہے، نہایت افسوسناک بات ہے، ہر کوئی اس بات کو سمجھ سکتا ہے، اور یہ نتیجہ ہے، سلف صالحین کے راستے کو چھوڑ کر اپنا من مانی تحقیق کرنے والوں کا۔کیونکہ جو بھی اپنے سلف صالحین کی راستہ کو چھوڑ کر اپنی تحقیق پیش کریگا وہ ایسے ہی دھوکا کھا کر خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، اسی لئے امام مالک فرماتے تھے: وَلاَ يَصْلح اٰخِر هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلحَ بِهِ أَوَّلهَا فَمَا لَمْ يَكنُ يَوْمَئِذٍ دِيْناً لَا يَكوُنَ الْيَوْمَ دِيْنًا) جو عمل اس وقت دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتا، قیامت تک کے لوگوں کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور ہر دینی مسئلہ کا ثبوت قرون اولی سے ڈھونڈنا چاہئے اگر اس کا ثبوت اس وقت سے مل جائے تو اس پر عمل کرلیا جائے ورنہ اسے قطعاً دین کا تصور نہ کیا جائے۔

کسی آیت کی تفسیر اپنے طرف سے کرنا اختلاف کا سبب ہے؟ ملاحظہ فرمائیں،

اِبْرَاهِيم التَّمِيمی ،قَالَ: خَلَا عمر ابْن الْخَطَّابِ ،ذَاتَ يَوْمٍ ،فَجَعَلَ يحدِّث نَفْسه فَأَرْسَلَ اِلىٰ ابْن عَبَّاسٍ فَقَالَ : كَيْفَ تَخْتَلِف هَذِهِ الاُمَّة ؟ فَكِتَابهَا وَاحِدٌ، وَنَبِيّهَا وَاحِدٌ، وَقِبْلَتهَا وَاحِدَةٌ،قَالَ اِبْن عَبَّاسٍ : ''يَا أَمِيرَ الْمُؤمِنِيْنَ ،اِنَّا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْقُرآن فَقَرَأنَاه وَ عَلِمْنَا فِيْم نَزَلَ ،وَاِنَّه يَكوْن بَعْدَنَا أَقْوَامٌ يَقْرَء ونَ الْقُرآنَ ،لَا يَعْرِفوْنَ فِيْمَ نَزَلَ ،فَيَكوْن كلّ يَوْمٍ فِيْهِ رَأيٌ ،فَاِذَاكَانَ لِقَوْمٍ فِيْهِ رَأيٌ اخْتَلَفوْا فَاِذَااخْتَلَفوْا اقْتَتَلوْا ،فَزَبَرَه عمر وَانْتَهَرَه ، فَانْصَرَفَ ابْن عَبَّاسٍ ، ثمَّ دَعَاه بَعْد ،فَعَرَفَ الَّذِیْ قَالَ ، ثمَّ قَالَ: أَيْهَا أَعِدْ .(شعب الايمان للبيهقی /فصل فی ترک التفسيربالظن)

ابراہیم تیمی نے انہوں نے کہا کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلوت میں بیٹھے اپنے آپ سے باتیں کرنے لگے لہذاانہوں نے حضرت عباسؓ کو اپنے پاس بلا کر سوال کیا کہ یہ امت کیسے اختلاف میں پڑسکتی ہے؟ حالانکہ اس کی کتاب ایک ہے اس کا نبی ایک ہے اوراس کا قبلہ ایک ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا۔ اے امیرالمومنین ہم لوگوں پر قرآن نازل ہوا ہے،ہم نے اسے پڑھا ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کس چیز کے بارے میں نازل ہوا ہے اور حالت یہ ہے کہ ہمارے بعد جو قومیں ہوں گی وہ قرآن کو تو پڑھیں گے مگر وہ یہ نہیں سمجھیں گے کہ کس چیز کے بارے میں یہ اترا ہے لہذا روزانہ اس کے بارے میں ایک نئی رائے سامنے آئے گی جب قرآن کے بارے میں ایک قوم کی ایک رائے ہوگی تو ظاہر ہے اس سے کوئی اختلاف بھی کریگا جب اختلاف ہوگا تو وہ باہم لڑ پڑیں گے قتال کریں گے چنانچہ حضرت عمرؓ ان پر غالب آئے اوران کو جھڑک دیا۔ حضرت ابن عباسؓ چلے گئے پھر بعد میں حضرت عمرؓ نے ان کو بلایا اب حضرت عمر کی سمجھ میں وہ بات آ گئی تھی جو ابن عباسؓ نے کہی تھی پھر فرمانے لگے وہ بات دوبارہ کہو۔

شعب الایمان (ج ۲/ص ۳۹۳،حدیث نمبر ۲۲۸۲

تضاد:(۲)

موصوف: اپنی کتاب صفحہ (۴۴) میں لکھتے ہیں مقتدی کے لئے آمین کے علاوہ دیگر آیات کا جواب دینا اللہ کے نبی ﷺ یا صحابۂ کرامؓ یا تابعین عظامؒ سے ثابت نہیں ہے۔ آگے لکھتے ہیں اس کی تائید میں...... صحیح تو درکنار کوئی ضعیف حتی کہ موضوع اور من گھڑت روایت بھی نہیں ہے۔

موصوف: خود اپنی کتاب کے صفحہ (۵۴،۵۵،۵۶،۵۷) میں مقتدی کے تعلق سے امیرالمومنین عمر بن الخطابؓ کی روایت نقل کرتے ہیں۔

ابوعبیدالقاسم بن سلام البغدادی (المتوفی ۲۲۴) نے کہا:

''حدثنا حجاج ، عن ابن جريج ، قال أخبرنی عبدالله بن عثمان بن خيثم ، عن يوسف بن ماهک ،عن عبدالله بن السائب ،قال: أخر عمر بن الخطاب كرم الله وجهه العشاء الا ٓخرة فصليت ،و دخل فكان فی ظهری ، فقرأت :((وَالذَّارِيَاتِ ذَرْواً))(۵۱/الذاريات: ۱) حتى أتيت على قوله : وَفِی السَّمَاءِ رِزْقكم وَمَا توعَدون)

(۵۱/الذاريات : ۲۲) فرفع صوته حتى ملأ المسجد :''أشهد،، حواله فضائل القرآن لأبی عبيد ص : (۱۴۹) وفی ''عبدالله بن عثمان بن خيثم ،، كلام لا يحتمل معه التفرد بمثل هذا الحديث ،و من طرق أبی عبيد أخرجه المستغری فی فضائل القرآن (۱/۱۷۴) ،و أخرجه أيضاً ابوعبيد فی فضائل القرآن فی فضائل القرآن ص: (۱۴۹) من طرق جعفر بن اياس منقطعاو لفضه :و أشهد ،،.

''عبداللہ بن سائبؓ کہتے ہیں کہ عمر فاروقؓ نے ایک دفعہ عشاء کی نماز میں تاخیر کی اور میں نے نماز پڑھائی تو وہ میرے پیچھے آ گئے پھر میں نے سورہ ذاریات پڑھی اور جب آیت (**وَفِی السَّمَاءِ رِزْقكمْ وَمَا توعَدوْنَ**)

(۵۱/الذاریات : ۲۲) اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے) پر میں پہنچا تو انہوں نے آواز بلند کی یہاں تک کہ مسجد گونج گئی اور کہا: ''اَشْهد،، (میں گواہی دیتا ہوں)۔

موصوف : نے مذکورہ حدیث کے راوی،عبداللہ بن عثمان بن خثیم کے بارے میں محدثین نے جرح کی ہے اس کو ذکر کیا ہے کہ متعدد محدثین نے ثقہ کہا ہے اور ایک جماعت نے اسے ضعیف بھی کہا ہے۔

کتاب کے صفحہ (۵۵،۵۶) کے آخر میں لکھتے ہیں کہ اس راوی کی توثیق اوراس پر جرح کے اختلاف کے سبب بعض محققین اسے صدوق مانتے ہیں بعض محققین اسے ضعیف مانتے ہیں،

نیز موصوف نے زیر بحث روایت ہی کی سند سے مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت نقل کی ہے اس میں بھی عبداللہ بن عثمان بن خثیم کے بارے میں ابن معین اور نسائی دونوں سے دو طرح کے اقوال مروی ہیں اور ابن المدینی نے منکر

الحدیث کہا ہے،

بعض محققین اس کے بارے میں توقف کرتے ہیں، جیسا کہ شیخ عبداللہ بن ضیف اللہ الرحیلی امام ذہبی کی ایک کتاب میں مذکورہ راوی پر حاشیہ لگاتے ہوئے فرماتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ یہ راوی مختلف فیہ ہے اور میرے لئے جرح کے بالمقابل اسے ثقہ قرار دینے یا اس کے برعکس فیصلہ کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اس لئے میں اس کے سلسلے میں توقف کرتا ہوں،، حوالہ :من تکلم فیه وهو موثق ت الرحیلی :ص ۳۰۳.

قارئین: مذکورہ حدیث کے راوی کے جرح کو آپ نے پڑھا کسی محدث نے توثیق کی، کسی نے توقف کیا، کسی نے ضعیف کہا، لیکن موصوف کا دعویٰ تھا کہ مقتدی کے آیات کے جواب دینے کے سلسلے میں من گھڑت روایت بھی ثابت نہیں ہے اور خود ہی یہ روایت پیش کر رہے ہیں تو موصوف کے قول میں تضاد ہے یا نہیں؟ فیصلہ آپ پر۔

حیرت ہے: اس بات کی کہ بڑے بڑے محدثینؒ تو توقف اختیار کر رہے ہیں اور موصوف ہیں کہ طوطے کی طرح رٹا لگا رہے ہیں کہ نبی ﷺ صحابۂ کرامؓ یا تابعینؒ سے یہ عمل ثابت نہیں ہے اس لئے قابل عمل نہیں ہے، نیز متن پر کسی محدث نے کلام نہیں کیا ہے اور موصوف اپنا خود ساختہ کلام پیش کر کے غرابت بتا رہے ہیں۔ موصوف اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے دائیں بائیں کے مقتدی کو پیش کر رہے ہیں۔ لیکن ابوموسیٰ الاشعریؓ والے اثر جس میں امام کی حالت میں سورہ اعلیٰ کا جواب دیئے، تو اس وقت جمعہ کی نماز میں بھی کوئی دائیں بائیں نہیں تھا؟ اس کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھوتھو ((فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَار))،، اس حدیث سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ صحابۂ کرامؓ کے دور میں بھی مقتدی کے لئے آیات کا جواب دینا عام بات تھی اسی لئے کسی صحابی سے بھی انکار ثابت نہیں ہے اور نہ ہی اختلاف، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس مسئلہ پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع رہا ہے۔

تعجب ہے: موصوف اپنی کتاب کے صفحہ (۵۸) میں تابعی کا ضعیف قول پیش کر کے صحابۂ کرامؓ کے صحیح آثار کو رد کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ موصوف کے نزدیک صحابۂ کرامؓ کے صحیح آثار بھی قابل عمل نہیں ہیں، پھر یہ تابعیؒ کا قول پیش کرنے کا مقصد کیا ہے؟

صحابۂ کرامؓ کے آثار عمل کے لئے حجت ہیں:

موصوف: اپنی کتاب کے صفحہ (۳۹) میں تین صحیح آثار کو نقل کرنے کے بعد، نوٹ میں لکھتے ہیں کہ اس میں فرض نماز کی صراحت نہیں ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اس میں نفل کی صراحت کہاں ہے؟ نفل کی بھی تو صراحت نہیں ہے۔

سنئے: امام ابن أبی شیبہؒ (المتوفی ۲۳۵) کا کتاب الصلوۃ کا باب باندھنا اور اس کے اندر متواتر دس آثار (یعنی ۸۷۲۹ سے ۸۷۳۸) تک مختلف سند سے لانا اور سب سے پہلے صحیح آثار کو جمعہ کی نماز میں ''بقول آپ کے،، امام ہونے کی صورت میں سورہ اعلیٰ کی پہلی آیت کا جواب دینا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تمام روایات فرض نماز کے متعلق ہیں، نیز درمیان میں بھی امام ہونے کی صورت میں دوسرے آثار کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تمام روایات فرض نماز کے تعلق ہی سے ہیں ورنہ شروع اور بیچ میں فرض نماز کے تعلق سے آثار کو نہیں لاتے، اور دیگر صحیح آثار کو اس کی تائید میں لائے ہیں کیونکہ جسمیں فرض کا ذکر ہے اس کو پہلے ذکر کیا، یعنی پہلے مفصل اثر بعد میں مجمل، کیونکہ ایک اثر دوسرے آثار کی تفصیل بیان کرتی ہے نیز ایک صحیح اثر سے دوسرے ضعیف آثار کی تائید ہوتی ہے، (دیکھیے ابن ابی شیبہ باب (۷۹۱-۷۹۲) کتاب الصلاۃ ص ۵۲۷-۵۲۸۔

موصوف: اپنے مسئلہ کی تائید میں امام ابن أبی شیبہؒ ہی سے دو آثار جو ایک علیؓ اور دوسرا، ابن زبیر سے صحیح اور حسن سند سے ثابت ہے پیش کر کے، نوٹ میں اپنی طرف سے لکھتے ہیں کہ یہ نفل نماز کے لئے ہے، حالانکہ ان آثار میں نفل کا ذکر ہی نہیں ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

مشہور قاعدہ: کے مطابق قرآن وسنت سے استفادہ کے لئے عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص سبب کا نہیں۔ (دیکھیے تفسیر تیسیر الرحمٰن صفحہ ۱۱۲) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک تخصیص کی کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے عموم کا ہی اعتبار ہوگا۔

(فتح الباری جلد ۱۲، ص ۲۶۱، تحت حدیث نمبر ۲۹۱۵ نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام از مولانا زبیر علی زئیؒ)۔

موصوف نے: اپنی کتاب قرآنی آیات کا جواب، نماز اور غیر نماز کے صفحہ ۱۲۰،) میں سورۃ الشمس کی آیت: (۸) کے جواب دینے کی سلسلے میں دو روایت، ایک امام طبرانیؒ (المتوفی ۳۶۰) حضرت ابن عباسؓ سے اور دوسری روایت، امام ابن عاصمؒ (المتوفی ۲۸۷) حضرت ابو ہریرہؓ سے، دونوں سندوں پر محدثینؒ نے جو جرح کی ہے، اس کو ذکر کرنے کے بعد (اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۳) میں موصوف اپنا فیصلہ سناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ، معلوم ہوا کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے اور ماقبل والی روایت میں بھی دو ضعف موجود ہے اس لئے ان دونوں کو ملا کر اسے حسن لغیرہ کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن موصوف: اپنی کتاب (صفحہ ۸۶ سے لے کر صفحہ ۹۵ تک) میں سورۃ القیامۃ کی آیت: (۴۰) کے ضمن میں چھ سندوں سے پانچ محدثین کی روایت لائے ہیں، دو روایت، امام ابوداؤدؒ (لمتوفی ۲۷۵) ابو ہریرہؓ سے اور دوسری روایت

موسی بن ابو عائشہؓ سے ،اور تیسری روایت: حدیث جابر بن عبداللہؓ سے ، اُبوالعباس جعفر بن محمد المستغر یؒ (المتوفی ۴۳۲) کے حوالے سے،اور چوتھی روایت: حدیث براء بن عازبؓ سے، اُبوبکر احمد بن جعفر القطیعیؒ (المتوفی ۳۶۸) کے حوالے سے،اور پانچویں روایت قتادہ سے،امام ابن جریر الطبریؒ (المتوفی ۳۱۰) کے حوالے سے ،اور چھٹی رویت عبداللہ بن عباسؓ سے،امام عبدالرزاقؒ (المتوفی ۲۱۱) حوالے سے ،اورامام ترمذیؒ نے بھی (۵/۴۴۳) **مختصر ا بما يتعلق ب (والتين والزئتون) من طريق سفيان به ، اسماعيل بن اميه أرسل هذاالحديث عند عبدالرزاق ، ت الأعظمی : ۲/۴۵۲** ، کے حوالے سے لائے ہیں۔

دکھ ہوتا: ہے کہ جب آپ اتنی سندوں کے باوجود بھی اس سند کو حسن لغیرہ نہیں قرار دیئے تو جس حدیث میں دو ہی سند ہوں تو اس کو کیسے حسن لغیرہ قرار دیں گے، حالانکہ اتنی سندوں سے حدیثوں کو ذکر کرنے کے بعد حسن لغیرہ کہہ سکتے تھے۔ پھر بھی آپ نے کنارہ کشی اختیار کر لی، یا پھر اصول سے بھی راہِ فرار اختیار کرر ہے ہیں۔حالانکہ ابوداوٗدؒ کی دوسری روایت صحیح ہے دیکھئے: (رواہ ابوداوٗد، مترجم، صحیح: ۸۸۴)

نیز ابوداوٗد فرماتے ہیں (**قَالَ اَبُوْدَاؤدَ : قَالَ أحْمَد : يعْجِبنِیُ فِیُ الْفَرِیْضَةِ اَنْ یَّدْعوْا بِماَ فِیُ الْقُرْآنِ**) صحیح سنن ابی داوٗد للالبانی الجزء الاول رقم الحدیث ۷۸۶۔

امام ابوداوٗدؒ کہتے ہیں کہ امام احمدؒ کا کہنا ہے کہ مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ فرض نمازوں میں قرآنی دعائیں کی جائیں

مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ موصوف نے خود اپنی کتاب کے (صفحہ ۳۲) میں ابن عباسؓ کی صحیح موقوف روایت سورۃ القیامۃ آیت: (۴۰) کی جواب دینے کے سلسلے میں تحریر کئے ہیں، ابن الضریس الرازی (المتوفی ۲۹۴) **حوالہ فضائل القرآن لابن الضريس : (ص ۳۱) و اسناده صحيح ، وخرجه أيضاً البيهقي في شعب الايمان (۳/ ۴۴۰) من طريق عاصم بن علي** ، گویا کہ ان تمام حدیثوں کی تائید اسی صحیح موقوف روایت سے بھی ہوتی ہے، بلکہ صحابی کا عمل ضعیف حدیث کو تقویت دے کر کے صحیح کے مقام پر پہونچا دیتا ہے۔جیسا کہ کتب اصولِ حدیث میں صحابۂ کرامؓ کو بھی حجت مانا گیا ہے، اسی لئے اسلاف میں سے امام بیہقی اور امام طحاویؒ وغیرہ نے سنن والآثار پر کتابیں لکھی ہیں محدثین کرام خصوصاً امام بخاریؒ اپنی صحیح میں باب باندھ کر آثارِ صحابہ پیش کرکے اپنی بات کو ثابت کرتے ہیں ،اور حدیث کی تائید میں آثار صحابہ جگہ جگہ بیان کرتے ہیں ۔ بلکہ امام بخاریؒ نے تو ''قضایا الصحابہ والتابعین،، کے نام سے الگ کتاب ہی مرتب کی ہے۔

،، کے نام سے الگ کتاب ہی مرتب کی ہے۔

(۱) خلاصہ کلام: یہ ہے کہ آنجناب نے اپنی تالیف شدہ کتاب میں قرآنی آیات کا جواب میں ہر آیت کے بحث میں تقریباً تین سے زیادہ ہی سندوں کو بیان کیا ہے، جو اصول حدیث کے مطابق سب حسن لغیرہ یا شواہد کی بنا پر قابل عمل اور لائق احتجاج کے مقام کو پہنچ جاتا ہے، الا کہ جس سند میں جھوٹا راوی یا جس پر جھوٹ کا اتہام ہو یا فاحش الغلط ہو وغیرہ ،یعنی محدثین نے جو شرائط قائم کئے ہیں۔تو وہ قابل عمل و لائق احتجاج نہیں بن سکتی ہیں، ورنہ اصول حدیث کے مطابق سب حسن لیغرہ کے مقام کو پہنچ جاتا ہے جو کہ قابل عمل و لائق حجت ہے ،

(۲) موصوف نے جس طرح سندوں پر جرح کر کے حدیثوں کو ضعیف اور نا قابل عمل بتایا ہے شاید کہ بخاری مسلم بھی اس سے محفوظ نہ ہوں۔اور اس تعلق سے خاکسار نے امام ابوداوٗدؒ اور دیگر محدثین کے اقوال کو کتابِ ھذا کے صفحہ ۵۲ میں تفصیل بیان کر دی ہے،

(۳) موصوف نے ہر سند الگ الگ بیان کر کے ضعیف احادیث کو نا قابل عمل قرار دیا ہے، محدثین کا ایسا نظریہ نہیں رہا ہے بلکہ اصول حدیث کے خلاف ہے،

(۴) موصوف اگر اس کتاب کو کسی اچھے محدث یا علامہ کے ذریعہ نظر ثانی کراتے تو شاید اصلاح بھی ہو جاتی۔

(۵) کتاب کے اندر بعض جگہوں پر موصوف کے قول میں تضاد موجود ہیں۔

نوجوانانِ ملت سے ایک مؤدبانہ اپیل:

محترم بھائیو! جذباتی ہونا کوئی عیب نہیں ہے، لیکن جذبات میں آ کر بہہ جانا معیوب ہے، اسی طرح اسلام میں تحقیق کرنا اچھی چیز ہے اور تحقیق کرنا بھی چاہئیے، لیکن جب تحقیق سلف صالحین کے منہج وطریقے سے ہٹ کر ہو تو ایسی تحقیق معیوب ہی نہیں بلکہ گمراہی کا سبب بن جاتا ہے اور انسان ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، اور اختلاف کا ہونا فطری چیز ہے ، اختلاف ہوگا ہی، صحابۂ کرامؓ کے درمیان بھی اختلاف تھا خود حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے درمیان بہت سارے مسئلہ میں اختلاف تھا لیکن ان کا اختلاف آپس میں میل محبت، اخوت و بھائی چارگی، بغض وحسد کا سبب نہیں بنا تھا، نیز ایک دوسرے پر کسی قسم کا فتوی نہیں لگایا تھا، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے اگر کوئی کسی کو کافر کو فتوی لگاتا ہے اگر حقیقت میں وہ کافر نہیں ہے تو فتوی لگانے والے پر معاملہ لوٹ آتا ہے، محدثینؒ نے اپنے اپنے علم کے حساب سے احادیث پر جرح کیا ہے لیکن کسی محدث نے دوسرے محدثین پر کسی قسم کا فتوی نہیں لگایا ہے جو آپسی میل محبت اخوت

بھائی چارگی میں ٹھیس پہونچے اور رکاوٹ بنے۔اللہ نے روئے زمین پر مومنوں کو ایک دوسرے پر گواہ بنایا ہے اگر ایک مومن دوسرے مومن کے اچھا ہونے کی گواہی دے تو اللہ اسکی گواہی قبول فرما کر جنت میں داخلہ فرمائے گا،جیسا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی روایت مشہور ہے،لیکن اگر ہم آپس میں ہی ایک دوسرے کو چھوٹے چھوٹے مسئلہ لے کر زدوکوب کریں کافر ومشرک کا فتوی لگائیں تو عزیز دوستو ہماری ہوا اکھڑ جائے گی اور معاشرے میں ہمارا کوئی وقار نہیں ہوگا، روئے زمین میں جس کا عقیدہ ومنہج کتاب وسنت،اور سلف صالحین کے مطابق ہو گرچہ نام کچھ بھی رکھ لیں وہ ہمارا دینی بھائی ہیں اور دینی بھائی کا رشتہ اسلام کے اندر سگے بھائی سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے اگر سگا بھائی مومن نہ ہوں،بس آخر میں اللہ سے دعا گوں ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب مومنوں کو آپس میں میل محبت سے رہنے کی توفیق عطا فرما اور شیطان کے مکر وفریب سے بچا۔(آمین)

تمت بالخیر